المامون

علامہ شبلی نعمانیؒ

دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ (یو پی)

المامون

پہلا اور دوسرا حصّہ

مولوی محمد شبلی نعمانی

U.6906

URDU PRINTED BOOKS
Accession No. 67.4.7 Col. No.
Subject

المامون کی فہرست

مضمون	صفحہ
مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت	۱۴
مامون کی ولیعہدی سنہ ۱۸۲ھ	۲۰
دستاویز جو امین نے لکھی	۲۳
مامون کی دستاویز	۲۷
مامون و امین کی مخالفت	۳۰
مامون پر فوج کشی	۳۱
اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ	۳۵
بغداد کا محاصرہ۔ سنہ ۱۹۷ھ	۳۷
امین کا قتل سنہ ۱۹۸ھ	۴۰
مامون کی خلافت سنہ ۱۹۸ھ	۴۸
ابن طبا طبا کا خروج سنہ ۱۹۹ھ	۴۹
ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت	۵۲
حضرت علی رضا کی ولیعہدی سنہ ۲۰۱ھ	۵۴
ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی سنہ ۲۰۲ھ	۵۵
مامون کا عراق روانہ ہونا اور فضل ذوالریاستین کا قتل	۵۸
حضرت علی رضا کی وفات سنہ ۲۰۳ھ	۶۰
ابراہیم کی معزولی	۶۲
مامون کا بغداد داخل ہونا	۶۴
طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا	۶۵
عبدالرحمٰن بن احمد کی بغاوت سنہ ۲۰۶ھ	۶۷
ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا سنہ ۲۰۷ھ	۶
افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت	۶۹
نصر بن شبث کا گرفتار ہونا	۷۲
ابن عائشہ اور ملک کا قتل ابراہیم کی گرفتاری	؍؍
مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں سنہ ۲۱۲ھ	۷۷
زط کی بغاوت	۷۸
بابک خرمی کی بغاوت	۷۹
فتوحات ملکی	۸۱
جزیرہ صقلیہ کی فتح	۸۴
روم پر حملے	۸۷
مامون کی وفات سنہ ۲۱۸ھ	۹۰
مامون کا حلیہ	۹۳
مامون کی اولاد ذکور	؍؍
حصہ دوم	۹۴
بغداد	۹۶
وسعت سلطنت و خراج	۱۰۰
ملک کی آبادی امن و امان	۱۱۰
ذوق علمی۔ رصدخانہ۔ پیمائش زمین	۱۲۰
مامون کا فضل و کمال علمی مجلسیں۔ اہل علم کی قدر	۱۲۳
مامون کے عام اخلاق و عادات	۱۴۵
مامون کا مذہب	۱۶۰
معاصر سلطنتیں	۱۶۵
ارکان دربار اور ملکی محکمے	۱۶۷
مامون کے عہد کے اہل کمال	۱۶۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگون کے اُن کامون کو جو یاد رکھنے کے قابل ہین بھلا دے یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگون کے قابل یادگار کامون کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا دونون طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہون۔ اور نہ کچھ کرین۔ اور صرف بزرگون کے کامون پر شیخی کیا کرین۔ تو اُستخوان جد فروش کے سوا کچھ نہیں اور اگر اپنے میں ویسا ہونے کا چسکا ہو تو پھر وہ امرت ہے۔ مگر ہم وہ کرین یا یہ کرین۔ یہ تو پچھلی بات ہے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ دلچسپ حالات اور پر فخر واقعات ہم کو ملین کہان سے۔ ہماری تاریخیں اُس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں جس مین زمانہ نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پر ترقی نہیں دی تھی اسلیئے ہمارے بزرگون کے کامون کے گوہر آبدار کہیں بکھرے پڑے ہوئے ہیں اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رسلے ملے ہیں ایک نہایت لایق شخص کا کام ہے جو اُن کو چُنے اور لڑی میں پرو کر سجائے۔

ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرسۃ العلوم کے پروفیسر مولانا **مولوی محمد شبلی نعمانی** نے اِس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور ایک سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا ہے۔ اُسی سلسلہ میں کی ایک یہ کتاب ہے جو **المامون** کے نام سے موسوم ہے۔ اُنھون نے خلفائے بنی عباس میں سے مامون الرشید ابن ہارون الرشید کو جو عباسی خلفاء کا ہیرو قرار دیا ہے۔ اور اُسکے تمام کارنامے اچھے یا بُرے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے اُس مین لکھے ہین۔

تاریخانہ واقعات لکھنے چندان مشکل نہ تھے مگر وہ باتین جنکے لکھنے کا اُس زمانہ کے مورخون کو بہت کم خیال تھا۔ یا اُنکی قدر نہیں کرتے تھے۔ اور اِس زمانہ میں انھیں کی تلاش اور اُنھیں کی قدر کیجاتی ہے۔ تلاش کرنی نہایت مشکل تھی مولانا نے انہیں پوری یا جہانتک ممکن تھی کامیابی حاصل کی ہے۔ پہلے حصہ میں انھون نے تاریخانہ واقعات لکھے ہین اور نہایت خوبی اور اختصار سے دکھایا ہے

کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور کیوں خاندان بنی امیہ کو برباد کرکے عباسی خاندان مین پہونچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جس سے امین اُس کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک لاشریک لہٗ بنگیا۔

جابجا واقعات دلچسپ سے بھی اِس حصہ کو آراستہ کیا ہے۔ جسکے سبب سے یہ سوکھا اور پھیکا تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہوگیا ہے۔

دوسرے حصہ میں انتظام سلطنت۔ آمدنی مملکت۔ فوجی انتظام۔ عدالت اور اسکی جزئیات کو جہان جہان سے ملیں۔ چُن چُن کر ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اور مامون کی خصلت اور اوسکی سوشیل حالت اُس کی پرائیوٹ زندگی اُسکے مشغلون اور اُسکی مجلسون کا ذکر کیا ہے اور اُس زمانہ کی زندگی اور طرز معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ ہے شان اور عظمت اور جلال خلافت کے ساتھ ایسی ایسی سادہ اور بے تکلف باتوں سے بھرا ہوا ہے کہ اس سے اُس کو۔ اور اُس سے اوسکو رونق ہوتی ہے۔

اِس حصہ میں لطائف وظرافت کے ساتھ علمی اور خصوصًا علم ادب کے ایسے ایسے نکتے مذکور ہین جو ادیب کے لیئے سرمایہ ادب اور ظریف کے لیئے سرمایۂ ظرافت ہیں۔

اِس قدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جسکا حوالہ معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزوی بات پر بھی اُس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی حوالہ دیا ہے۔ اُسکے حاشیوں پر جس قدر کتابون کے حوالے ہیں ان کو دیکھکر اندازہ ہو سکتا ہے کہ اِس کتاب کے لکھنے مین کس قدر جانکاہی ہوئی ہوگی۔ اور مصنف کو کتنے ہزارون ورق تاریخون کے اُلٹنے پڑے ہونگے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جائے کہ مصنف نے اُن جزئیات کو ایسی کتابوں سے تلاش کرکے نکالا ہے جن کی نسبت خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ اُنمین مامون کے حالات ہونگے تو اُس محنت کی وقعت وقدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب اردو زبان مین لکھی گئی ہے۔ اور ایسی صاف وشستہ اور برجستہ عبارت ہے کہ دلی والون کو بھی اُسپر رشک آتا ہوگا۔

اُردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے۔ کہ ہر فن کے

لیئے زبان کا طرز بیان جدا گانہ ہے تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخانہ طرز گو کیسی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کرتا ہے۔

لارڈ مکالی جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اُسکے تاریخانہ ایس سے باعتبار فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے مگر ایشیائی اور شاعرانہ طرز ادا سے تاریخانہ اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہونچانے والے ہیں۔

ہمارے لائق مصنف نے اسکا بہت کچھ خیال رکھا ہے۔ اور باوجود تاریخانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اُسکو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے۔ جو خوبصورت ہے۔ خوبصورت ہی جو بھونڈی ہے بھونڈی ہے نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بھونڈے پنے کو زیادہ بھونڈا اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی کا ہے

اِس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قومی ہمدردی سے مدرستہ العلوم علی گڈہ کو عطا کیا ہے۔

پہلا ایڈیشن اِس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرستہ العلوم نے کمیٹی کے فائدہ کے لیئے چھاپا اور سب فروخت ہو گیا۔ اور لوگوں کی طلب باقی رہی۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے اوس کے فائدے کے لیئے دوسرے ایڈیشن کے نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور اُسکے لیئے یہ دیباچہ لکھا۔

مگر مجکو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ اُنھوں نے مہربانی سے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اِس میں اضافہ کیئے اور حکمائے عہد مامون میں بالتخصیص نہایت مفید اضافہ کیا۔ مجکو اُمید ہے کہ یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بھی زیادہ مطبوع طبع ہوگا ✤

سید احمد خان
سکرٹری کمیٹی مدرستہ العلوم علی گڈہ
۱۲ اکتوبر ۱۸۸۹ء

رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامور فرمانروایانِ اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تمہید۔ ترتیب۔ خلافت مامون الرشید۔ کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اُس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہانِ عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔

مرتبہ شبلی نعمانی

افضل المطابع پریس دہلی میں چھپا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی **قومی خاصیتیں** گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف اُن کو پہلے تھا۔ اب بھی ہے۔ جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ نام آور رہے ہیں۔ آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوشِ التفات ہے کہ اُس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ فرق ہے۔ تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں: اُن میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دیئے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئیں تھیں اور قصہ طلب ہوائے اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہو گئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ۔ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے اس کے خزانے میں قومی تاریخ کا جس قدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اُس کی فتوحات

کہاں کہاں پہونچیں۔ کس کس کو اُس نے تاج وتخت دیا۔ کتنی سلطنتیں قائم کیں۔ کبھی بنو اُمیہ کو عروج ہوا۔ کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج ویلم نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوق کا علم اقبال ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم وشام کے دفتر الٹ دیئے۔ کبھی ملتین اُٹھے اور یورپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے۔ لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہکر پکارا اور انہیں کے رزم بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جس کو اردو زبان میں ہم ڈہونڈہنا چاہیں تو کہاں ڈہونڈھیں۔

اُردو زبان کی یہ کم مائگی کچھہ محل تعجب بھی نہیں۔ اُردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہونچ جائے لیکن علماء کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا اور اسوجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اسی کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ اُس کی طرف مطلقاً ملتفت نہوا۔ تصنیف وتالیف تو ایک طرف ہمارے علماء اس زبان میں خط وکتابت کرنا بھی عار سمجھا کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کچھ اس تیزی سے بڑہی کہ بہت سے لوگ اور خصوصاً یہ سادہ مزاج گروہ اسکی رفتار ترقی کا اندازہ بھی نہ کرسکا۔ چونکہ تو اُس وقت۔ جب وہ (اُردو) ملک کی انشا پردازی اور عام تصنیفات پر پورے اقتدار کے ساتھہ قابض ہوچکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ اُن میں بہت سے اب تک وہی صحراے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنھوں نے حال کی آب وہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اردو کا حق سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلےٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشا پردازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آرہی ہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی پرپیچ ضرورتوں نے اس نئے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی زبان پر دسترس پاسکے۔ اس لئے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکا اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اسکی آنکھوں سے چھپے رہ گئے۔ مجبورانہ۔ پرزور اور ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح نچلی نہیں بیٹھ سکتی تہیں۔ تذکروں۔ اور ناولوں پر جھکیں جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑہا۔ لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے۔ کہ زبان عربی اور فارسی کو

بناکر ۔ ہماری علمی اور قومی زبان بنی ۔ وہ اُسی خاصہ سے محروم رہ گئی ۔ جو قائم مقامی کی حیثیت سے اُسکا ذاتی حق تھا ۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی جوش کو زندہ رکھ سکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں ۔

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تھا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور بسیط تاریخ لکھوں ۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصار کرسکتا تھا نہ کسی خاص سلسلہ کے انتخاب کی مجکو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی ۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیروز آف اسلام (یعنے نامور فرمانروایان اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہو کہ اسلام میں آج تک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے اُن میں سے صرف وہ نامور انتخاب کرلئے جائیں ۔ جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار سے اپنا ہمسر نہ رکھتے تھے ۔ اور ان کے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بھی موجود ہو ۔ جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لیئے انتخاب کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں ۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنے وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے ۔
خلفائے راشدین	حضرت عمرؓ ۔ خلیفہ دوم
بنو اُمیہ	ولید بن عبد الملک
عباسیہ	مامون الرشید
بنو اُمیہ اندلس	عبد الرحمن ناصر
بنو حمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نور الدین محمود زنگی ۔
ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف ۔

ترکان روم سلیمان اعظم۔

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے ان کو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ، مغلیہ تیموریہ) تو اسوقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے ان کو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے معزز دربار میں ان کے لئے جگہ خالی کی جائے۔

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں **مامون الرشید عباسی** کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اُس کا نام **المامون** ہے۔ احباب کا مجکو بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں۔ ترتیب کی پابندی نہ کرسکا۔ اور خلفائے راشدین و بنو اُمیہ کو چھوڑ کر پہلے اُس خاندان کو لیا۔ جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا۔ آیندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کرسکوں۔ لیکن یہ قطعی ارادہ ہے کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی تو اس سلسلے کے کل حصے جس طرح ہوسکے گا پورے کرونگا۔

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جسقدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ۔ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایہ پر پہونچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اُسکے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں۔ اسکے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے بالکل کافی نہیں۔

تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری[1]۔ مروج الذہب مسعودی - کامل ابن الاثیر جزری[2]

---

[1] یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے۔ ابن اثیر و ابن خلدون و ابو الفداء کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ سترہ ۱۷ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ اور ہنوز ناتمام ہے۔ ۱۲

[2] تاریخ کامل مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے۔ ۱۲

ابن خلدون ۔ ابو الفدا ۔ دول الاسلام ذہبی ۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ۔ عیون الحدائق
اخبار الدول قرمانی ۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی ۔ فتوح البلدان ۔ بلاذری[1]
معارف ابن قتیبہ ۔ اعلام الاعلام ۔ النجوم الزاہرۃ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں ۔ جو
اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں ۔ اور دولت عباسیہ یا خاص مامون
الرشید کے حالات سے آگہی کا ذریعہ ان سے بڑھکر اور کیا ہوسکتا ہے ۔ لیکن ان
تمام تاریخوں کو پڑھ کر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت
کیا تھا ۔ حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے ۔ خراج ملک کیا تھا ۔ فوجی قوت کس قدر
تھی ۔ ملکی عہدے کیا کیا تھے ۔ تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہو گا ۔ خود فرمانروا
وقت کے طور وطریقے اور عام اخلاق وعادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات
اور مفید تفصیلیں نہ ملیں گی جن سے اسکی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پھر جائے
جن واقعات کو بہت بڑہا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اسکی نذر کر دیئے ہیں ۔ وہ صرف
تخت نشینی ۔ خانہ جنگیاں ۔ فتوحات ملکی ۔ اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل ونصب کے
حالات ہیں ۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دیئے ہیں نہ اُن کی اسباب
وعلل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے ۔ نہ اُن سے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط
ہو سکتے ہیں ۔

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں ۔ ان کے متعلق جس تاریخ
کو اٹھالو نہایت تفصیلی حالات ملیں گے ۔ لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کہ کس قسم کے اندرونی واقعات
نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا ۔ اور اُن کے نشو ونما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو
کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اُٹھیں کب شروع ہو چکی تھی ۔ تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دینگے اور تمکو
تمام تر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا ۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات
کے سلسلے میں بندھا ہے ۔ انہیں ریشہ دوانیوں کا پتہ لگانا اور اُن سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے
ساتھہ تاریخی نتائج کا مستنبط کرنا ۔ یہی چیز ہے جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے

[1] بلاذری نہایت قدیم مورخ ہے خلیفہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۲۴۷ھ کے عہد میں موجود تھا اسکی تاریخ جرمن میں چھپی ہے

اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع وایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں اُن لوگوں نے جو کچھ کیا موجودہ اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اُسکی ممنون رہیں گی۔ لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی۔ آج بھی قایم رہے گی؟۔

اِسکے علاوہ۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے۔ جن باتوں کو قدمانے اس خیال سے نظر انداز کر دیا۔ کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں آج انہیں کی تلاش ہے کہ اُس عہد کی عام معاشرت۔ اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائے اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں۔ یعنی مامون کی ولادت ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ بغاوتیں فتوحات ملکی۔ وفات۔

دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جنسے مامون کے پولیٹکل انتظامات اور سوشیل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش وجستجو میں۔ میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات۔ مقامی جغرافیے۔ سفر نامے۔ تفشیات۔ غرض جہاں سے جو بات ملی۔ اخذ کی۔ تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکھا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہاں سے شروع ہوا ہے اسکی تمہید بھی ملاحظہ فرما دیں)

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں۔ عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو اُمیّہ کے زوال کا زمانہ قریباً ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور اُن مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں۔ یہی گمان ہوتا ہے کہ عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا۔ لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کسی طرح خیال میں نہیں آسکتا کہ ایک ایسی پُرزور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے دفعتاً زیر و زبر ہو جائے

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں کہ جب خلافت کے دعوے میں ہمیشہ پیغمبر صلعم کا قرب زیادہ مؤثر سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے۔ بنو امیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے ان باتوں کے سمجھانے کے لئے ہم خلافت کے اجمالی سلسلہ کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقدے خود بخود حل ہو جاویں جو ان خلافتوں کی پولیٹکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے راز ہیں۔

خلافت کا اجمالی سلسلہ۔ بنی ہاشم۔ و بنی اُمیّہ کی حریفانہ طاقتیں۔ بنو امیہ کی سلطنت۔ ہاشمیونکی کوششیں دولتِ عبّاسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز۔ قریش کا قبیلہ تھا۔ لیکن قریش کے بھی دو برابر حصے ہو گئے تھے[۱]۔ ہاشم و اُمیّہ اور (جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے) جمعیت اور ملکی اقتدار میں بنو اُمیّہ کا پلہ۔ بنو ہاشم سے بھاری تھا۔ البتہ آنحضرت صلعم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد۔ جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبر رض پر اتفاق عام ہو گیا۔ لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر اڑے رہے اور انکو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس دونوں ہوا حضرت ابو بکر صدیق رض کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سرے سے پیش ہوتے۔ لیکن حضرت عمر رض کی باضابطہ ولیعہدی نے اسکا موقع نہ دیا۔ حضرت عمر رض نے اپنی وفات کے قریب چھ شخصوں کو چنا جنکی حاکمانہ لیاقتیں اُنکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے۔ حضرت علی رض بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباس رض نے انکو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بخت و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی اعانت کے اپنے استحقاق کا فیصلہ کر لیں

[۱] قریش کے اور بھی چھوٹے چھوٹے حصے ہو گئے تھے۔ لیکن برابر کے حریف صرف یہی دو تھے ۱۲

لیکن جناب امیر رض کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لئے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمان رض کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو حضرت علی رض نے صبر جمیل کیا اور تن بہ تقدیر راضی ہو گئے حضرت عثمان رض خاندان بنو امیہ سے تھے۔ اور ان کی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکر رض وعمر رض۔ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اس لئے ان کے عہد تک بنو امیہ و ہاشمیہ دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمان رض نے اپنی خلافت میں۔ تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدئے امیر معاویہ رض پہلے ہی شام کے گورنر تھے۔ لیکن اس عہد میں اُنکا اقتدار اس حد تک پہونچ گیا کہ شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت قریباً ۱۲ برس رہی۔ اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کی شہادت تک نوبت پہونچی۔ لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہو گیا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہ رض نے ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُن کو حضرت علی سے کچھ نسبت نہ تھی۔ تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا اُنہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی۔ دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوئیں۔ اور ان کی باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہو گئی۔ امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتہً خلافت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور بظاہر امیر معاویہ کی حکومت بیداغ رہ گئی۔ لیکن اُسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علی نے حضرت امام حسین کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب اُنھوں نے انکار کیا تو اُن کے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی۔ اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں۔ اور ایک مدت کے لئے یہ توقع باقی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ کا

گروہ شاید اب نے مخفی راز سے پردہ اُٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہو گئے۔ اور اپنی مشہور شجاعت واولوالعزمی سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت قایم کر لی۔ اسی زمانہ میں۔ بنوامیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمان رضہ کا چچازاد بھائی تھا اور اُن کا میر منشی رہ چکا تھا ۶۴ھ میں شام ومصر پر قبضہ کر لیا اور وہ گو خود کچھ بہت کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن اسکے بیٹے عبدالملک نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اُس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی اُمیہ کے مہیب لقب سے مشہور ہے۔

عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں قلعہ میں بند ہو کر شہید ہوئے اور تمام دنیائے اسلام باستثنا عبدالملک کے قبضہ اقتدار میں آ گئی۔ یہ حکومت جسکو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزون ہے۔ قریباً ۷۰ برس تک قائم رہی۔ اور اسی قلیل مدت میں دس شخص تخت نشین خلافت ہوئے۔

اس خاندان میں عبدالملک وولید وسلیمان وہشام۔ نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گذرے صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جاوے تو دولت عباسیہ اپنی چھ سو برس کی زندگی میں اُس کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ سندھ و کابل و ایران و ترکستان وعرب وشام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اس میں داخل تھا۔ بااینہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔ اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلہ کو اُٹھے۔ اگرچہ ولید وہشام کے پُرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا اور جب اُس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھیچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔

اُس وقت تک خلافت کی کوششیں۔ صرف سادات اور علوئین کی طرف سے ہوتی رہیں عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علوئین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی رضہ کے پوتے تھے اپنے پیروؤں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے اور خراسان و ایران میں جابجا اُن کے خفیہ نقیب مقرر تھے ۹۸ھ میں اُن کو زہر دیا گیا اور چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اُس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا۔ اس لئے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس (رسول اللہ صلعم کے عم بزرگوار) کے پڑپوتے تھے

اپنا جانشین کر گئے۔ اسی طرح علویین کی مجتمع قوت عباسی خاندان کی طرف منتقل ہو گئی۔ گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عباسیہ کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے۔ اور سنہ ۱۰۲ھ و سنہ ۱۰۵ھ و سنہ ۱۰۹ھ میں و سنہ ۱۱۸ھ میں۔ ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض اوقات حکام بنی اُمیہ پر یہ سازشیں کھل گئیں جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً سنہ ۱۲۱ھ میں زید بن علی و سنہ ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھائے۔ اور میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں۔ مگر عباسیوں نے اُس سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ ان کے حریف بنی اُمیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہونچے۔ سنہ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کا انتقال ہو گیا۔ اور اُن کے بیٹے ابراہیم امام باپ کے جانشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۷ھ میں ابراہیم کو **ابو مسلم خراسانی** ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آیا جس نے اپنے حسن تدبیر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک پہونچایا۔ اور بانی دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ اپنی طرف سے سیکڑوں نقیب مقرر کئے۔ اور تمام اطراف میں بھیجے۔ طرفداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس یا ایک سیاہ وہجی بطور نشان کے مقرر کی۔ ان نقیبوں نے خراسان فارس کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال پھیلا دیئے اور ایک خاص دن ٹھہر گیا کہ اُس تاریخ کو ہواخواہان آل عباس جہاں جہاں ہوں۔ دفعتًا اُٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کی ۲۵ تاریخ سنہ ۱۲۹ھ شب پنجشنبہ سفیدنج ایک گاؤں میں جو مرات کے نواحی میں ہے۔ ابو مسلم نے خلافت **عباسیہ** کی عام منادی کر دی اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جن کا نام ظل و سحاب تھا سیاہ پھریرے آویزاں کئے ہر طرف سے لوگ جوق جوق آتے تھے اور ظل و سحاب کے نیچے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ابو مسلم نہایت کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا خراسان کی طرف بڑھا۔ اور عمال بنی اُمیہ کو پے در پے شکستیں دیں۔ اس زمانہ میں بنو اُمیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار تخت نشین حکومت تھا۔ خراسان کے گورنر نے اسکو نامہ لکھا کہ آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا

اور ابومسلم خراسانی جو اُن کا نقیب ہے۔ خراسان کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرتا جاتا ہے" ابراہیم امام اسوقت حمیمہ میں تھے۔ اور اُن کی فوجی جمعیت جو کچھ تھی ان سے بہت دور خراسان کی فتوحات میں معروف تھی۔ مروان نے بلقار کے عامل کو لکھا کہ ابراہیم کو پابہ زنجیر کرکے دار الخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھ کچھ جمعیت نہ تھی۔ بغیر کسی وقت کے گرفتار کر لیئے گئے چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں۔ اور ابوالعباس سفاح کو (جو اُنکے حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں۔

سفاح نے کوفہ پہونچکر جمعہ کے دن ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا۔ اور بڑے تزک و احتشام سے مسجد جامع میں جاکر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ ادھر ابومسلم نے سمرقند۔ طخارستان۔ طوس۔ نیشاپور۔ رے۔ جرجان۔ ہمدان۔ نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے عَلَم اقبال کے سایہ میں آگئے شہرزور پر خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور ابوعون نے جو ابومسلم کا ایک فوجی افسر تھا عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان۔ ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنوامیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تھا ابوعون کے مقابلہ کو بڑھا۔ ادہر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابوعون کی مدد کو بھیجا مروان نے شکست کھائی۔ اور مصر کو روانہ ہوا۔ چند روز بھاگتا پھرا۔ اور آخر ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہوکر مارا گیا۔ اور اسکے قتل کے ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اسکے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنی اُمیہ کا ایک بچہ دُنیا میں زندہ نہ رہنے پائے۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔ اسپر بھی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا خلفائے بنی اُمیہ یعنی امیر معاویہ۔ یزید عبدالملک ہشام کی قبریں اُکھڑوا ڈالیں۔ اور اگر ایک ہڈی بھی ثابت مل گئی تو آگ میں جلادی۔ اس ہنگامہ میں بنواُمیہ میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن نام۔ اندلس (اسپین) کو بھاگ گیا۔ اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قایم کرلی جسکو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکھا کئے اور کچھ نہ کر سکے۔ عباسیوں کی خلافت پانسو چوبیس برس تک قائم رہی اور اس مدت

میں ۳۷ تخت نشین گذرے۔ مامون جس کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ اس خاندان کا چھٹا خلیفہ تھا۔ ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی۔

شجرۃ النسب

- حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم
- عبداللہ مشہور صحابی ہیں
- علی المتوفی ۱۱۷ھ نہایت جمیل اور صاحب وجاہت تھے
- محمد المتوفی ۱۲۶ھ
  - سفاح دولت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ہے ۱۳۲ھ میں تخت نشین ہوا
  - منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا

شجرۃ الخلافۃ

- سفاح
- منصور دوانیقی سفاح کا بھائی تھا
- مہدی بن منصور ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا
- ہادی بن مہدی ۱۶۹ھ میں تخت نشین ہوا
- ہارون الرشید بن المہدی ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا
- مامون الرشید بن ہارون الرشید

ہٰرون الرشید۔ بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا۔ شاہزادگی کے زمانہ میں روم پر لشکر کشی کی۔ اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہونچ گیا۔ مسند خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اس قدر وسیع کر دئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا۔ مگر اُس نے ہر بار شکست دی قیصر کے پایۂ تخت ہرقلہ[1] کو برباد کر دیا۔ اور بزور یہ شرط لکھوالی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائے گا۔

[1] ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا۔ یونانی خاندان جو اُس زمانہ میں قیصر کہلاتا تھا اُسکا پایۂ تخت بھی شہر تھا۔ عربی مورخ اُسکو ہرقلہ لکھتے ہیں اب ویران ہو کر ایک معمولی شہر بن گیا ہے۔

شاہانِ شان شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکایا۔ اُس کی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے۔ اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا خود بھی نہایت طباع اور قابل تھا۔ اسکی علمی مجلسیں۔ ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اُس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا۔ تو ہم اُس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے۔ مامون جس کے حالات۔ ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں۔ اسی ھٰرون کا فرزند رشید تھا۔

مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ اُس کی ولادت کی رات بھی عجیب رات تھی جسمیں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا۔ تیسرا (مامون) عالم وجود میں آیا۔ خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ "میرے بعد ہادی۔ تخت نشین ہو۔ اور اسکے بعد ہٰرون"۔ ہادی نے بدنیتی سے ہٰرون کو محروم کرنا چاہا اور چونکہ ہٰرون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن موت نے دفعتاً اُس کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحییٰ نے جگا کر مژدہ خلافت سُنایا۔ ہٰرون نے نہایت یاس سے کہا: "دیکھو! تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سُن لیں گے۔ تو یہی ہنسی بلائے جان ہو گی"۔ یحییٰ نے عرض کیا۔ کہ "قضائے آلہی نے اِس بحث کا فیصلہ کر دیا آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں"۔ اسی گفتگو میں۔ خواص مژدہ لائی کہ "مشکوئے معلےٰ میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا"۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں **مامون الرشید اعظم** ہونا لکھا تھا۔ ہٰرون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبداللہ نام رکھا۔ کیونکہ بانی دولت عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا۔

مامون کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام مراجل تھا۔ اور بادغیس وہرات کا ایک شہر ہے؛ میں پیدا ہوئی تھی۔ علی ابن عیسےٰ گورنر خراسان نے اُسکو ہارون کی خدمت میں پیشکش بھیجا تھا۔ افسوس ہے کہ مراجل وہی چار روز کے بعد انتقال کرگئی اور مامون کو ماں جیسا مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہوا۔

مامون جب قریبًا پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اُسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ دربار میں جو علماء اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنے کسائی نحوی اور یزیدی۔ قرآن پڑھانے کے لئے مقرر ہوئے۔ مامون کا سن ہی کیا تھا مگر طباعی اور فطانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے۔ کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا۔ مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فوراً کسائی کی نگاہ اُٹھ جاتی۔ اتنے اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا۔ ایک دن سورۂ صف کا سبق تھا۔ کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا۔ جب مامون اس آیت پر پہونچا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؛) تو بے اختیار کسائی کی نظر اُٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا۔ تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمایئے۔ ہارون نے کہا ہو ہاں اُس نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی۔ جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُس نے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُس وقت کا ماجرا عرض کیا۔ اور کہا کہ خاص اُس آیت پر کسائی کا دفعتًا چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت

سلہ دیکھو عیون والحدایق۔ مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۴۴۔

نہایت متعجب اور خوش ہوا۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا۔ اور مامون کے عام افعال وعادات کی نگرانی اُس سے متعلق تھی۔ اس فرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خدام نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پا کر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید مارے اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا۔ اور دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کردے۔ جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا۔ "استغفر اللہ میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا۔ کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب و تعلیم سے مجھکو کس قدر فائدے پہونچیں گے۔"

خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل وکمال ہوتے تھے اولاد کو اُن کی آغوش تربیت میں دیدیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم وتربیت حاصل کرتے تھے۔ ہرون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو ۱۸۲ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی کی آغوش تربیت میں پلا۔ جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور زیادہ تر اُسی کی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل وکمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بڑا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر اور شاعر تھا مامون کی تربیت پر وتعلیم پر مامور تھا۔

سلہ دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱۰۱-۱۲منہ

سلہ تاریخ الخلفائے سیوطی۔ صفحہ ۳۱۹-۱۲منہ

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن لکھا ہے[۱] غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہو گا بہرحال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اُس نے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اُس نے اس برجستگی سے سوالوں کے جواب دئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے جوش طرب میں سینہ سے لگا لیا[۲]۔

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جسکو اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اسکی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا۔

یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم دی تھی۔ ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ "خلفائے بنی اُمیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیجدئے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم تو گھر بیٹھے اون سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو" اول اول اُس نے جمعہ کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پرتاثیر لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے۔ اور اکثر لوگ رو پڑے ابو محمد یزیدی نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الاغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اسکے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کئے فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بلائے گئے۔ اور مامون نے اُن کے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویۃ الضریر۔ اسمعیل بن علیہ۔ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعی بھی داخل ہیں ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے اُن کی خدمت میں درخواست کی "کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرماکر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں" امام مالک نے

---

[۱] خلفاء میں صرف ابوبکر صدیق رض، حضرت عثمان رض، مامون الرشید حافظ القرآن گذرے ہیں سیوطی صفحہ ۲۲۴

[۲] دیکھو دراری فی ذکر الذراری صفحہ ۹ ۱۳۰۷ سنہ

کہلا بھیجا کہ "علم کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا" اونھوں نے اس بات سے ہارون کو ادبی غیرت دلائی کہ "یہ علم تمھارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمھیں اُس کی عزت نہ کروگے تو وہ کیونکر عزت پاسکتا ہے" اس معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کے درسگاہ عام میں حاضر ہوں[1]۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ شناس فن تھا۔ مؤطا کے پڑھنے کے لئے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور چونکہ اُسکو اپنی اولاد کی تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تھا۔ امین و مامون بھی اس درس میں اُس کے ساتھ ہوتے تھے[2]۔ ہر چند دار الخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علماء موجود تھے۔ اُس وقت اور کہیں نہ تھے۔ تاہم ہارون کی خواہش تھی کہ ملک میں اور جو ارباب فن ہیں ان کے فیض تعلیم سے بھی مامون و امین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اُس وقت فقہ و حدیث کا مرکز تھا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبد اللہ بن ادریس و عیسےٰ ابن یونس تھے۔ جنھوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بھی ہیں جو علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون و امین خود ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ابن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں۔ اور جب اُسی وقت مامون نے اون حدیثوں کو زبانی سنادیا۔ تو ابن ادریس بھی اس کی قوت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کرنے لگے[3]۔

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ہر ایک علم میں دستگاہ مناسب حاصل کی تھی۔ لیکن خاص فقہ ادب۔ تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر گنا جاتا

---

[1] حکم دار آب للیاقوت المستعصمی صفحہ ۱۔ ۱۲ منہ [2] سیوطی صفحہ ۲۹۰۔ مؤطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ مدت تک مصر کے کتب خانہ میں موجود تھا سیوطی صفحہ مذکور ۱۲ منہ

[3] سیوطی صفحہ ۳۰۳۔ ۱۲ منہ

تھا اور درحقیقت ایک ایسے شخص کو جو بالطبع ذکی ہو جسنے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی ہو۔ جو ابونواس۔ ابوالعتاہیہ۔ سیبویہ۔ فرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایسا ہی یگانۂ فن ہونا چاہیئے۔ جیساکہ مامون تھا بچپن میں ایک دن اُس نے اصمعی سے پوچھاکہ یہ شعر کس کا ہے۔

ما کنت الا کلحم میتا	دعا الی اکلہ اضطرارا

اصمعی نے کہا ابن عینیۃ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے۔ مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب[۱] ہوا مامون نے اسی زمانہ میں شعر کہنا بھی شروع کیا تھا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر از بس وسیع تھی برجستہ کہتا تھا اور خوب کہتا تھا۔ ایک موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گذرجانے پر بھی لوگوں کو اُسکے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا تو مامون نے ارا کین دربار کی فرمائش سے خلیفۂ وقت کی خدمت میں یہ قطعہ لکھا۔

یا خیر من دبت المطی بہ	ومن تقدی بسرجہ الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جنکو سواریاں لے کر چلتی ہیں اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے۔

هل غایۃ فی المسیر نعرفها	ام امرنا فی المسیر ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جسکو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔

ما علم هذا الا الی ملک	من نورہ فی الظلام نقتبس

اس بات کا علم صرف اُس بادشاہ کو ہے جسکے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں ہارون کو اُسوقت تک نہیں معلوم تھا کہ مامون نے شاعری کی ہے۔ اگرچہ اس جبائی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکھا۔ اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں۔

[۱] مرآۃ الجنان یافعی۔ ترجمہ اصمعی ۲۱۵ھ سیوطی صفحہ ۳۲۰۔

۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی وکسائی نحوی۔ وعباس بن الاحنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون رشید نے حکم دیا کہ خود شہزادہ مامون جا کر اُن کے جنازے کی نماز پڑھائے۔ مامون نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ کس کا جنازہ سب سے آگے رکھا گیا ہے" لوگوں نے عرض کی "ابراہیم کا" مامون نے کہا "نہیں عباس کا جنازہ آگے رکھو" نماز سے فارغ ہو کر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے ؎

وسمّی بها ناس فقالوا انها	لهی التی تشقی بها وتکابد
فجحدتهم لیکون غیرک ظنهم	انی لیعجبنی المحب الجاحد

(میرے معشوق کی نسبت لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اُسی پر مرتے ہو۔ میں نے انکار کیا تا کہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں۔ مجھکو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر مکر جائے،) علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرہ میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تھی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بھی اُس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

مامون نے ان علوم سے فارغ ہو کر فلسفہ کی طرف توجہ کی۔ ہارون الرشید نے جو عالیشان محکمہ کتب علمیہ کے ترجمے کا قایم کیا تھا۔ اور جس میں۔ ہندو۔ پارسی۔ عیسائی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ نوکر تھے جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ وطبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے مامون کے تکمیل فلسفہ میں بہت مددگار رہا۔ لیکن اس موقع پر ہم اسکی تفصیل نہیں کرتے اور اُس موقع کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہو کر اُس کے عام اخلاق وعادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اس کی علمی مجلسیں۔ علماء سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات۔ فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے۔ یہاں مختصر طور پر صرف وہ حالات بیان کئے ہیں جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے۔

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ھ

ہارون کی اولاد ذکور ۱۲ تھی جنمیں سے چار ایسے لایق وقابل تھے جن کو وہ ولیعہدی

کے لیئے انتخاب کرسکتا تھا۔ مامون۔ امین۔ موتمن۔ معتصم۔ معتصم گو نہایت قوی اندام۔ دلیر شجاع۔ اور فنون جنگ سے واقف تھا لیکن جاہل محض تھا ہارون نے اس بنا پر اُسکو خلافت سے بالکل محروم کردیا۔ امین کی ماں زبیدہ اور اسکا ماموں عیسے بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولیٹکل طاقت رکھتے تھے کیونکہ اراکین دربار و افسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے۔ ۱۷۵ھ میں عیسے بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحییٰ سے امین کی ولیعہدی کے لئے سفارش کی۔ اگرچہ امین کی عمر اُس وقت کل پانچ برس کی تھی اور اسوجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے۔ تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی۔ ہرون نے تمام دربار سے امین کے لئے بیعت لی[1] امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ خوش شمائل تھا۔ اسکے ساتھ اُسنے نحو۔ ادب۔ فقہ۔ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی۔ لیکن عیش طلب۔ اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اُسکی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ مامون کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت۔ ہادی کی شان وشوکت پاتا ہوں۔ اور اگر اپنے سے بھی اُسکو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں"۔ میں نے "امین کو خلافت میں اُسپر ترجیح دی۔ حالانکہ مجکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے۔ اور لونڈیاں اور عورتیں اسکی مشیر کار ہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا۔[2]

ہارون نے ایک دن ابو عیسٰے[3] اپنے چھوٹے بیٹے سے جو حسن وجمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا کہا۔ "کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا"۔ خود مامون سے بھی وہ کہا کرتا تھا کہ "ساری خوبیاں تجھی میں ہوتیں تو خوب ہوتا اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ابو عیسٰے کا حسن بھی تجھی کو دیتا"

[1] سیوطی صفحہ ۴۱۱ [2] فخری صفحہ ۲۴۴ [3] تمام عباسی نسل میں خاندان خلافت۔ دفعناں خلافت میں ابو عیسٰی نہایت حسین اور صاحب جمال تھا۔ اسکے ساتھ شاعر نکتہ سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ مامون الرشید کو ابو عیسٰے سے نہایت محبت تھی۔ علامہ آغانی نے لکھا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اُسکو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی ہی میں مرگیا مامون نے کئی دن تک اُسکے غم میں کھانا نہیں کھایا۔ ۱۲

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تھا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تھی کہ تم ایک کنیززادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر کشیں رہتی تھیں۔ اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بھی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونوں کا امتحان لیتا تھا۔ اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ ایک دن اُس نے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کرکے جو اُس کے پاس رکھی تھیں۔ امین سے پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ امین نے کہا: "مساویک" یعنی مسواکین۔ پھر اُس نے مامون کو بلاکر یہی سوال کیا اُس نے جواب دیا کہ "ضد محاسنك یا امیر المومنین"[1]

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچھو کہ جب خلافت آپ کو ملے گی تو حضور ہمارے ساتھ کیا سلوک فرمائیں گے۔ امین نے نہایت خوش ہوکر کہا کہ میں تم کو اس قدر انعام اور جاگیریں دوں گا کہ نہال ہو جاؤ گے۔ مگر جب مامون کے پاس گئے تو اُس نے دوات جس سے لکھ رہا تھا اٹھا کر اُس کے منہ پر پھینک ماری۔ اور کہا کہ "بدمعاش جس دن امیرالمومنین نہوں گے تو ہم لوگ جی کر کیا کریں گے ہم انپر فدا نہ ہوجائیں گے"[2]۔

اسپر بھی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کرسکتا تھا۔ مامون کے لئے اتنا کیا کہ سنہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اسکی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور سرِدست خراسان و ہمدان کے صوبہ جات کا گورنر مقرر کیا۔ تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرہ ثغور وعواصم کی حکومت دی۔ اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کرسکتا ہے۔ اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کردی تھی۔ مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تھا وہ جانتا تھا کہ امین خودغرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اُس کا طرفدار ہے اُس کو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرأت ہوسکتی ہے۔ اس خیال سے سنہ ۱۸۶ھ میں جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لے جاکر فہمائش کی پھر مامون کو بُلایا۔ اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں اسکے بعد دونوں۔

[1] مرآۃ الجنان ترجمہ للمامون ۲۱۸ھ [2] رازی صفحہ ۴۸۴۔ ۲۱۸ھ

سے جُدا جُدا معاہدے لکھوائے جن میں ہر ایک نے اُس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے اُنکے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو ممالک ملے اُس میں کرمان شاہ۔ نہاوند۔ قم۔ کاشان۔ اصفہان۔ فارس۔ کرمان۔ رے۔ قومس طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراالنہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو۔ بغداد۔ واسط۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ جزیرہ۔ حجاز۔ مصر۔ اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت۔ جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن الربیع حاجب۔ اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہا و علما شامل تھے۔ باواز بلند پڑھکر سنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اُسپر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا سونے کے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھکر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا گیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کرینگے۔ اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کردیا جاویگا اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولیٹکل خیال پیدا ہو۔ تاہم اس خیال سے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اُس سے اس وقت کے عام خیالات اور طریق معاملات[۱] کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہم بجنسہ اُسکا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

دستاویز جو امین نے لکھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ ایک تحریر ہے جسکو محمد بن امیر المومنین ہارون نے امیر المومنین ہارون کے لئے لکھا نہ بحالت ثبات عقل صحت جسم۔ بدرستی فعل و اطاعت مندانہ بلا جبر و اکراہ کہ مجکو امیر المومنین

[۱] علامہ ازرقی نے جو ۲۲۳ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو تمامہا تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھو تاریخ مذکور از صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۶۔ مطبوعہ جرمن مقام لیپزک۔ ابن واضح کاتب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدرِ اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲ منہ

ہارون نے ولیعہد سلطنت کیا ہے۔ اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی میرے بھائی عبداللہ بن امیرالمومنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر و اکراہ سے۔ خلافت اور ولیعہدی۔ اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی۔ اور اسکو امیرالمومنین نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان اور اُسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمہ ڈاک۔ و پرچے و بیت المال۔ و بیت الصدقہ۔ وعشر و عشور کی ولایت دی ہے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیرالمومنین نے بیعت و خلافت و ولیعہدی۔ اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے۔ میں ان سب امور کو تسلیم کروں گا۔ خراسان اور اُس کے اضلاع کی حکومت جو اُس کو امیرالمومنین نے عطا کی ہے۔ یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اُس کو دی ہیں۔ یا کوئی جائداد خاص کر دی ہے۔ یا کوئی زمین یا جاگیر اُس کو خرید دی ہے اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام و مویشی۔ کم ہوں خواہ زیادہ اُسکو عنایت کی ہیں۔ وہ سب عبداللہ بن امیرالمومنین کی ہیں۔ جو اُسکے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہے۔ اور میں نے اور عبداللہ بن امیرالمومنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے۔ اور اگر ہم دونوں میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزوں میں اختلاف ہوئے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ میں اُن چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دوں گا۔ نہ اُس سے چھینوں گا۔ نہ کم کرونگا وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی۔ اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبے سے جس کی حکومت امیرالمومنین نے اُسکو دی ہے مجکو کچھ بحث ہوگی۔ میں عبداللہ کو اُن صوبوں سے نہ معزول کروں گا۔ نہ خلع بیعت کرونگا۔ نہ کسی اور کو اُسکا قائم مقام کرونگا نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں اُسپر مقدم کرونگا۔ نہ اُسکی جان۔ یا خون۔ یا صورت۔ یا ایک سر مو کو ضرر پہنچاؤں گا نہ اُس کے جزئی یا کلی امور میں۔ یا حکومت۔ مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق۔ کوئی رنج دہ بات کروں گا۔ کسی وجہ سے اُسکی کسی چیز میں تبدیلی نہ کروں گا۔ نہ اُس سے نہ اُسکے عمال سے نہ اُسکے منشیوں سے کچھ حساب کتاب سمجھونگا خراسان اور اُسکے صوبوں اور ان علاقوں میں جس کی حکومت امیرالمومنین نے اپنی زندگی میں و حالت صحت میں اُسکو دی ہے

جو کچھ انتظامات خود اُس نے یا اُسکے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج۔ خزانہ۔ طراز۔ ڈاک صدقات۔ عشر۔ عشور۔ وغیرہ۔ اُسکے درپے نہ ہونگا۔ اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دونگا۔ نہ ایسا خیال دل میں لاؤں گا نہ اپنے لئے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کرونگا۔ اور امیرالمومنین ہارون نے جو کچھ زمان خلافت میں اُسکو عطا کیا ہے جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور جسپر مجھسے اور عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے۔ اس میں کچھ کمی نہ کروں گا۔ نہ اور کسی کو اجازت دوں گا کہ اس سے تعرض کرے۔ یا اُس کا مخالف بنے۔ یا اُس کی بیعت کو توڑے۔ اسبارہ میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنوں گا۔ نہ اُسپر ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا۔ نہ اُس سے چشم پوشی کروں گا نہ غفلت کرونگا اور نہ کسی نیک آدمی سے نہ بدسے نہ بچے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے۔ نہ اولاد آدم میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ۔ یا فریب یا حیلہ۔ کسی بات میں۔ ظاہر یا باطن میں۔ حق یا باطل میں قبول کروں گا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فاسد کرنا مقصود ہو۔ جو میں نے عبداللہ بن امیرالمومنین سے کی ہے۔ اور جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے بُرائی کا ارادہ کرے۔ یا ضرر پہنچانا چاہے۔ یا اُسکی بیعت توڑنا چاہے یا اُس سے ارادہ جنگ کرے۔ یا اُسکی جان۔ یا جسم۔ یا سلطنت۔ یا مال۔ یا حکومت میں مجتمعہ۔ یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہو گا کہ اُسکی مدد کروں اور حفاظت کروں۔ اور جو اپنی جان وجسم ومال وخون وچہرہ وحرم وحکومت سے دفع کروں وہ اُس سے بھی دفع کروں اور اُسکی اعانت کو لشکر بھیجوں۔ اور ہر مخالف کے مقابلہ میں اُسکی مدد کروں۔ اور نہ چھوڑ دوں اُسکو اور نہ الگ ہو جاؤں اُس سے اور جب تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اُس کے کام کو اپنا کام سمجھوں گا۔ اور اگر امیرالمومنین کو موت آجائے اور میں اور عبداللہ بن امیرالمومنین اُس وقت امیرالمومنین کے پاس موجود ہوں۔ یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو۔ یا کوئی نہ حاضر ہو۔ ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقامات میں۔ اور عبداللہ بن امیرالمومنین۔ خراسان کے علاقہ حکومت میں نہ ہو تو میرا فرض ہو گا کہ اُس کو خراسان روانہ کروں۔ اور وہاں کی حکومت وصوبے وفوج

اُس کے حوالے کروں۔ میں اُس میں نہ تاخیر کروں گا۔ نہ اُس کو روکوں گا۔ نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے اِدھر اُدھر اور فوراً اسکو روانہ کرونگا۔ خراسان اور اسکے مضافات کا حاکم کر کے مستقل طور پر بغیر اسکے کہ کسیکو اُس کا شریک کروں۔ اور ان سب لوگوں کو بھی اُس کے ساتھ کروں گا جن کو امیرالمومنین ہارون نے عبداللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا از قسم افسران فوج ۔ ولشکر و ندیم و منشی و عمال و غلام ۔ و خدام۔ اور جو اُس کے ہمراہ ہوں مع اُن کے اہل وعیال کے۔ ان میں سے میں کسی کو نہ روکوں گا۔ اور نہ کسی کو اسمیں شریک کروں گا۔ میں عبداللہ پر نہ کوئی امین بھیجوں گا۔ نہ پرچہ نویس۔ نہ بندار اور نہ قلیل یا کثیر میں اُس کا ہاتھ پکڑوں گا۔

جو کچھ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ اُن کی نسبت امیرالمومنین ہارون کو اور عبداللہ بن امیرالمومنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیرالمومنین کا اور اپنا اور اپنے آباواجداد کا۔ اور تمام مسلمانوں کا۔ اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیاء اور مرسلین اور عامہ خلائق سے لئے ہیں۔ اور اس قسم کے عہد ومیثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور جس کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے۔ پھر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیرالمومنین ہارون اور عبداللہ بن امیرالمومنین سے کی ہے اور جسکا اس تحریر میں ذکر ہے۔ یا خیال کروں اُس چیز کے توڑنے کا جسپر میں قائم ہوں۔ یا اُسکو بدلوں۔ یا خیال کروں یا بدعہدی کروں۔ یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے۔ نیک یا گنہگار۔ مرد۔ یا عورت جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اُسکے خلاف قبول کروں تو میں بری ہوں۔ خدا سے عزوجل سے اور اس کی ولایت سے اور اس کے دین سے۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن مشرک ہوکر خدا سے ملوں۔ اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے یا آیندہ تیس برس تک میرے عقد نکاح میں آئے۔ مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الحرج۔ اور مجھپر فرض ہو گا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کہ جو مجھپر منذر واجب ہونگے۔ خدا نہ قبول کرے مگر اُسکا پورا کرنا۔ اور جو مال آج میرا ہے یا جسکو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجکو بطور ہدیہ کے بھیجنا ضرور ہو گا۔ اور

جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں یا آیندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے۔ اور جو کچھ میں نے ہرون امیرالمومنین اور عبداللہ بن امیرالمومنین کے لئے لکھا ہے اور شرطیں کی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے مجکو اسکا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اسکے خلاف دل میں کوئی خیال نہ لاؤں گا۔ اور اس کے سوا نیت نہ کروں گا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھپر لازم اور واجب ہوں گی۔ اور امیرالمومنین کے افسران فوج اور خود لشکر۔ اور تمام شہروں کے لوگ اور عام مسلمان۔ سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہوں گے۔ اور میرے خلع بیعت سے اُنپر کچھ حق مواخذہ نہ ہوگا حتی کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہوں گا۔ مجکو اُن لوگوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔ نہ ولایت نہ اطاعت۔ نہ بیعت۔ اور اُن لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہوگا جو اُنھوں نے میرے حق میں کیے ہیں[1]

مامون نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اس کی طرف سے لکھی گئی جسکا خلاصہ یہ ہے

کہ امیرالمومنین ہارون نے مجکو امین کے بعد ولیعہد کیا۔ اور امین نے ایک دستاویز لکھی جسمیں اُس نے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اُسپر قسم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کروں گا اور اگر فوج وغیرہ کی مدد چاہے گا تو کافی اعانت کروں گا۔ جب تک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اُس کو تسلیم کروں گا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن اگر خود امیرالمومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسیکو میرے بعد ولیعہد قرار دیں تو مجکو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اب تک تو بظاہر امین و مامون۔ ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصہ دار تھے۔ مگر متعدد تجربوں نے ثابت کردیا تھا کہ امین۔ خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا اسی خیال

[1] اس معاہدے پر ۳۰ بڑے بڑے عمائد و اعیان کے دستخط ہیں میں نے تطویل کے خوف سے اُن کے نام نہیں لکھے ۱۲

ہٰرون نے اُس کے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھہ ماموں کو ہر موقع پر ترجیح دی۔ اور گویا طرزِ عمل سے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے۔ نہ امین۔ سنہ ۱۸۹ھ میں بمقام قرماسین علی رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال۔ خزانہ اسلحہ۔ اسباب۔ جو کچھ ہے مامون کا ہے۔ پھر تمام دربار سے کہا کہ "تم لوگ اسپر گواہ رہو"۔ سنہ ۱۹۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جسکو بجائے بغداد کے دار الخلافہ قرار دیا تھا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکاً خلیفہ منصور کی خاتم خلافت بھی عنایت کی۔ امین ان کارروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مگر کچھ کر نہ سکتا تھا سنہ ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی۔ جسکے فرو کرنے کو ہٰرون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہوگئی۔ امین کی سازش کے لئے یہ ایک عمدہ موقع تھا۔ کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تھے سب اسکے طرفدار تھے۔ اور خصوصاً وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و بازو تھا وہ عرب کی نسل سے تھا۔ اور امین نے اُسی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ہٰرون کے ساتھہ اُس وقت اگرچہ امین و مامون۔ دونوں میں سے کوئی نہ تھا مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تھا۔ ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دیئے۔ جو اہل دربار کے نام تھے۔

ہٰرون الرشید نے اسی مرض میں ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۹۳ھ میں انتقال کیا۔

اسکے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جنکا مشترک مضمون یہ تھا کہ "فوج مع تمام خزانہ و سلاح و اسباب کے دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہو" تمام درباریوں کو حوالہ کئے۔ افسران فوج اور بعض عمائد اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متامل ہوئے۔ لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تھا کہ سارا دربار اسکے اشاروں پر حرکت کرتا تھا اُس نے لوگوں کو یقین دلا دیا کہ امین کے سامنے جو خاص دار الخلافہ پر قابض ہے۔ مامون کو ہرگز فروغ نہیں ہو سکتا"۔ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغداد ہی کی طرف مائل تھی۔ امین اپنی تدبیر میں پورا کامیاب ہوا مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج و حشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جسمیں اسباب و جواہرات کے علاوہ پچاس کرور کے صرف درہم و دینار تھے۔ اُسکو ایک حبہ بھی

نصیب نہ ہوا۔ غرض متفقاً سب نے بغداد کا رُخ کیا۔ مامون اُس وقت مرو میں تھا۔ جب یہ خبر پہونچی تو ارا کین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی۔ سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بزور واپس لا سکتے ہیں۔" مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لے جا کر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی۔ شاہی فوج پر جسکا شمار نہیں ہو سکتا فتح تو کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ جب شکست کھا کر۔ جان سے نا امید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالہ کر دیں گے کہ اِس کارگذاری کے صلہ میں اپنی جانیں بچالیں۔ اگر یہی منظور ہے تو خط بھیجکر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کر لیا جائے۔" دو خاص خادم یہ نامے لیکر گئے۔ فضل بن الربیع نے خط پڑھکر کہا۔ "میں تو رائے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہونگے میں بھی ہونگا۔" لیکن عبد الرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھکر کہا کہ "تمہارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اُسکے پہلو سے پار ہو چکی ہوتی۔" اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا۔ اِدھر تو اُسکے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے۔ اُدھر یہ ڈھنگ دیکھکر خراسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پر کمربستہ ہو گئیں۔ مامون خلافت سے یک لخت مایوس ہو گیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُسکو تسکین نہ دی ہوتی تو غالبًا وہ حکومت سے دست بردار ہو جاتا۔ اُس نے فضل سے صریح لفظوں میں کہدیا کہ "سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ و سفید کے مالک ہو۔ اور میں عنان حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔"

فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ اور کہا کہ "حاشا! ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے۔" تاہم فضل کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا اُس نے اپنے مضبوط اور پیش بیں دل سے یہی صدا سُنی کہ وہ مامون ضرور کامیاب ہو گا۔ مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی۔ لیکن علماء و فضلا کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جو اس کی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا۔ اور جن کے زہد و تقوٰے کا ملک پر بڑا اثر تھا۔ فضل نے ان مذہبی جنرلوں سے جو کام لیا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ تمام اطراف دنیا میں پھیل گئے اور وعظ و افتا کے ذریعہ سے وہ اقتدار

حاصل کیا کہ اُن کی ایک صدا پر ملک کا ملک اُمنڈ آیا۔
مامون نے خود بھی فصل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول حاصل کیا کہ اُس کے عدل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کر دینے سے۔ تمام ملک اُس کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ "کیوں نہ ہو! ہمارا بھانجا۔ اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے"۔ چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی۔ اس لئے تمام ایرانی اُسکو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی۔ اُس نے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گیند گھر طیار کرایا۔ فرامین بھیجے کہ قوال مسخرے۔ ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں امصار الخلافۃ کو روانہ کئے جائیں۔ ہاتھی۔ عقاب۔ سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں۔ اور ان میں بیٹھکر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اُس کو مامون کا خیال بھی نہیں رہا۔ لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انہیں کارروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ مامون کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ اس نے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ "مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے"۔ امین نے پہلے تو انکار کیا۔ مگر فضل نے کہا کہ "اول جو بیعت تمام ملک سے لی گئی۔ وہ آپکے لئے تھی اور غیر مشترک تھی۔ پھر ہارون الرشید کو اُس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا" یہ بات امین کے دل میں اُتر گئی۔ اور اس پر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کر کے موسےٰ کے لئے جو اُس کا صغیر السن لڑکا تھا۔ بیعت لے درباریں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبداللہ بن حازم نے بے باکانہ کہا کہ "اسلام میں آجتک کسی نے عہد شکنی نہیں کی

آپ یاد رکھیں کہ اسکی تاریخ آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے"۔
امین نے خفا ہو کر کہا کہ "چپ رہ عبد الملک مجھ سے زیادہ عاقل تھا" اُس کا قول ہے کہ "ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے" پھر افسران فوج طلب ہوئے خزیمہ نے صاف مخالفت کی، اور کہا کہ "اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں۔ تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھیئے۔
امین اُسوقت اس ارادے سے باز رہا۔ مگر فضل بن الربیع کا جادو بے اثر نہیں جا سکتا تھا۔ چند روزوں کے بعد تمام ملک میں احکام بھیجدیئے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسٰے کا نام پڑہا جاوے۔ مامون اپنی قوت کا اندازہ کر چکا تھا اب اُسنے علانیہ مخالف کارروائیاں شروع کیں۔
امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کر کے بھیجا کہ موسٰی کی ولیعہدی تسلیم کرے تو اُسنے صاف انکار کیا۔ اسی طرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کیئے تو مامون نے قاصدوں سے کہدیا کہ "امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے"۔
یہ کارروائیاں گویا دیباچۂ جنگ تھیں اور اس وجہ سے مامون نے احتیاطاً تمام ممالک میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جب تک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ فوجی افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج و سامان طیار رہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہووے پہونچکر دشمن کا سدراہ ہو۔

مامون پر فوج کشی ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈہتا تھا۔ مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تھیں۔ مکہ معظمہ سے منگوا کر چاک کرڈالیں۔ اور موسٰے اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تھا۔ ناطق بالحق کا خطاب دیا۔ عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کے بجائے موسٰے کا نام پڑہا جاوے

فوج کو طیاری کا حکم دیا۔ سپہ سالار فوج علی بن عیسیٰ کو دو لاکھ دینار انعام میں دلوائے۔ اور سات ہزار مغرق خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں۔ کوچ کے دن فوج اس سروسامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمرا ور سن رسیدہ جو فوجی جاہ وحشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تھے حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن عیسیٰ روانگی کے وقت زبیدہ خاتون (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو اس میں مقید کر کے لانا۔ اسکے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ "امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھ پر بہت کچھ حق ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بیٹا اور کس کا بھائی ہے۔ گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا۔ سخت کہے تو برداشت کرنا۔ راہ میں رکاب تھام کر چلنا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ تو جانتا ہے کہ اُس کا کیا مرتبہ ہے یاد رکھ کہ تو اُس کا کسیطرح ہمسر نہیں ہو سکتا"۔ غرض علی پچاس ہزار فوج سے کر رے کی طرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تھے۔ بمتفق اللفظ بیان کرتے تھے کہ طاہر رے میں بڑی طیاریاں کر رہا ہے۔ مگر علی کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اسکو مطلق پروا نہ تھی۔ وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہونچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہ کر علی کا مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا کہ "اگر دشمن کی فوجیں شہر پناہ تک پہونچ گئیں تو اُس کا ظاہری غلبہ دیکھکر خود شہر والے ہمپر ٹوٹ پڑیں گے۔ طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا۔ علی بھی قریب پہونچ گیا تھا۔ دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑھی۔ سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تھا۔ پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم۔ اور ہر علم کے پیچھے سو سوار تھے۔ علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تھا جس کے قلب میں علی تھا اور اُسکے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تھے۔ طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تھی مگر اُسکے پُرزور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تھا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسیکو خیال ہی نہ تھا سب سے پہلے جس شخص نے صف سے نکلکر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی۔ علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تھا۔ طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اُسی کے رتبہ کا کوئی سوار اُسکے مقابل ہو۔

اس کو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تھا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آکر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا اسی کے صلہ میں زبان خلائق سے اس کو ذوالیمینین کا لقب ملا یعنی "داہنے ہاتھوں والا"

اب عام لڑائی شروع ہوئی۔ علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ طاہر کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ تاہم وہ بذات خود ثابت قدم رہا۔ اور دوبارہ فوج کو ترتیب دے کر اہل علم پر حملہ آور ہوا۔ اس کے پے در پے حملوں نے علم برداروں کی صفیں الٹ دیں۔ پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہو گئی۔ علی نے ہزار سنبھالا مگر سنبھل نہ سکی۔ اسی ہنگامہ میں دفعتاً ایک تیر آکر لگا۔ اور علی کا خاتمہ ہو گیا۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی۔ اور مامون کو ان مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا۔ کتابی الی امیرالمؤمنین وراس علی بین یدی و خاتمہ فی اصبعی و جندہ مصرفون تحت امری یعنی میں امیرالمومنین کو خط لکھ رہا ہوں۔ اور علی کا سر میرے سامنے ہے اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں۔

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈھائی سو فرسنگ سے کم نہ تھی تین دن میں طے کی۔ اور چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد علی کا سر پہونچا۔ بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر کیا گیا۔

امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ حوض میں رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں جنکو سونے کی نتھنیاں پنھائی تھیں نتھنیوں میں بیش قیمت موتی پڑے تھے کہ جس کے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اسی کو ملے۔

امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ ہمیشہ اس کے کنارے شکار کھیلا کرتا تھا۔ آج بھی وہ اسی شغل میں تھا کہ دفعۃً مسرورنے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی۔ امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ! کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور مجکو صبح سے ابتک ایک بھی نہیں ملی۔ شکار سے فارغ ہوا تو افضل بن الربیع کو طلب کیا اس نے شکست کی یہ تلافی کی کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں رہتا تھا پکڑ بلایا۔ اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ

روپے وصول کئے۔

امین نے ایک اور فوج طیار کی جس کی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبدالرحمٰن سپہ سالار مقرر ہوا۔ اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہونچکر ٹھہری۔ عبدالرحمٰن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے۔ طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ آخر عبدالرحمٰن امن کا طالب ہوا اور شہر چھوڑ کر کسی طرف نکل گیا۔ طاہر قزوین پر بڑھا۔ یہاں کا عامل جس کا نام کثیر تھا۔ اس کی آمد کی خبر سنکر پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ قزوین پر تو قبضہ ہو گیا۔ مگر دفعتہً عبدالرحمٰن ایک فوج عظیم لے کر پہونچا۔ اور اس تیزی سے حملہ آور ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتیار بھی نہ سنبھال سکیں۔ صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنی فرصت پاکر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت معرکہ ہوا عبدالرحمٰن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ خود ثابت قدم رہا اور جب اس کے ساتھیوں نے کہا کہ "اب لڑنا بے سود ہے۔ بھاگ چلئے" تو اُس نے نہایت غیظ سے کہا کہ "میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا نہیں چاہتا" نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا۔

اس فتح نے دور دور تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا جبل کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں آگئے۔ تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلہ کو پست نہ کرسکیں۔ اُس نے ایک اور عظیم الشان فوج آراستہ کی جو تعداد میں کم و بیش چالیس ہزار تھی سپہ سالار دو مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے۔ یعنی احمد بن زید۔ و عبدالرحمٰن بن حمید طاہر ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا۔ اب اس نے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا۔ جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈالدی اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے۔ مدت تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم دگر صرف کرکے بغداد واپس گئے۔

اِن فتوحات نے مامون کی امیدیں وسیع کردیں۔ امیرالمومنین کا لقب اختیار کیا

اور درباریون کو بڑے بڑے عہدے دیے۔ فضل کو اُن تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا۔ جو ہمدان سے تبت تک طول میں۔ اور بحر فارس سے جرجان و بحر دیلم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیرنگیں تھے۔ اس کے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیرالخراج۔ علی بن ہشام کو وزیرالحرب۔ نعیم کو وزیرالقلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشاں میں ٹھہرا۔ اور رستمی کو اہواز پر بھیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تھا۔ اسی اطراف میں موجود تھا۔ رستمی کی آمد سنکر اہواز پہونچا۔ اور قلعہ بندی شروع کی۔ مگر اُس کے دوسرے ہی دن رستمی اور قریش رجس کو طاہر نے ایک فوج گران کے ساتھ رستمی کی مدد کو بھیجا تھا پہونچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ محمدی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں ٹھہرا رہا۔ اگرچہ فتح سے ناامید ہو چکا تھا۔ تاہم اُس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بھاگ گئے اُنکے واپس پھرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں اُن کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں ہے تو لڑکر مارا جاؤنگا تم کو اجازت ہے جہاں چاہو چلے جاؤ میں تمہارے مرنے سے بہرحال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ سب نے متفق اللفظ کہا کہ آپکے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہے۔ محمد اور اُس کے جاں نثار غلام گھوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوے۔ اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کئے۔ مگر خود جانبر نہ ہو سکا۔ محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تھا جس کی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہے۔ اور چونکہ وہ خود بھی نہایت شجاع اور یادگار سلف تھا طاہر کو بھی اس کے مارے جانے کا افسوس رہا۔ اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان تک مطلع صاف کر دیا۔ اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضہ میں آگئے۔ اب وہ واسط کی طرف بڑھا۔ یہاں کا عامل پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خطوط بھیجے اور جب سنہ ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے

صرف بغداد اور اس کے متعلقات بچ رہے۔ مدائن میں برمکی نے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ دارالخلافہ سے بھی ہر روز مدد چلی آتی تھی۔ مگر طاہر کا کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ جب برمکی اس کے مقابلے کو نکلا تو فوج کی صفیں بھی درست نہ ہو سکیں۔ ایک کو سنبھالا تو دوسری ابتر ہو گئی۔ مجبور ہو کر خود سب کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تھی۔ اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ حرمین میں بھی اس کا سکہ وخطبہ جاری ہو گیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تھا اس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا۔ اور مجمع عام میں ایک نہایت پر اثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں نے ساری مجلس کو چپ کیا دیا کہ "یہ وہی امین ہے جس نے حرمت حرم کا بھی خیال نہ کیا۔ اور جن معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تھی ان کو چاک کر کے آگ میں جلا دیا" داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر پھینک دی کہ اسی طرح میں امین کو خاک پر پھینکتا ہوں۔ سب نے غائبانہ مامون کے لیے بیعت کی۔ مامون کو جب یہ خبر پہونچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ اور مکہ کی حکومت اس پر مستزاد کی چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال نے بھی طاہر کی اطاعت قبول کی۔ اور امین کی حکومت بغداد کی حد تک رہ گئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریباً چار سو افسر تھے۔ علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلے کو روانہ کیا۔ رمضان سنہ ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کی طمع دلا کر دشمن کی فوج توڑ لی جائے۔ امین کے خزانہ عامرہ میں ہرون الرشید کے زمانہ کا اب بھی بہت کچھ اندوختہ موجود تھا۔ جو اس ضروری موقع پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچ ہزار آدمی اسی طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے۔ امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے اس سے بھی زیادہ انعام وصلہ دیا۔ اور فخر کے طور پر ان کی ڈاڑھیاں مشک سے

منگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ صرصرین مقابلہ ہوا۔ مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کردیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کرسکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور بیشمار غنیمت ہاتھ آئی امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانیر و جنرل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گراں بہا انعامات سے مالامال کردیا قدیم افسر جو ان فیاضیوں سے محروم رہے۔ نہایت ناراض ہوئے۔ اُدھر طاہر نے اُن سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ علانیہ باغی ہوگئے۔ درباریوں نے عرض کیا کہ انعام و صلہ کی طمع دلاکر اُن کو قابو میں لانا چاہئے۔ لیکن امین کو اپنی نوآزمودہ فوج پر اس قدر ناز تھا کہ اُس نے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور ان نوآزمودوں کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کرلائیں۔ ادھر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکہ آرا تھیں اودھر طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا۔ اور ذوالحجہ ۱۹۶ھ ہجری میں باب الانبار پہونچ کر ایک باغ میں مقام کیا۔ امین کے بہت سے افسر اُس کے پاس حاضر ہوگئے۔ اور بڑے بڑے انعامات و صلے حاصل کئے۔

بغداد کا محاصرہ ۱۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہوچکی تھی۔ اور بظاہر دارالخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سدِّراہ نہ تھا۔ تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ بغداد ایک مدت سے خلفائے عباسیہ کا پایۂ تخت اور اُن کی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ جن میں اکثر مسلمان تھے۔ اور سپہ گری کا فطرتی جوہر رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر نہایت تدبیر سے چلا۔ بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے ان کو خاص خاص حصوں پر متعین کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ حلقۂ اطاعت میں آئیں۔ اُن کو امن دیا جائے۔

باقی حصوں پر منجنیقوں کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کردیں۔ نہایت سفاکی اور بیرحمی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی۔ ہزاروں عالیشان مکانات برباد کردئے گئے محلّے کے محلّے تباہ ہوگئے۔ افراہمرد۔ محمد بن عیسیٰ سعید بن مالک۔ نہایت دلیری سے لڑے۔ مگر عاجز ہوکر طاہر کی پناہ میں آ گئے۔ رفتہ رفتہ۔ عبداللہ۔ یحییٰ بن ہامان۔ محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہ گئے جو طاہر کے سد راہ تھے۔ لیکن ان کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اٹھائیں۔ بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اٹھائی تھیں۔ قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا۔ کہ طاہر کی بہت سی فوج ضائع ہوئی۔ اور چند مشہور افسر مارے گئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علی کے معرکہ سے لیکر آج تک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے دارالرقیق تک اور باب الشام سے باالکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیۃً برباد کردیجائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہوئے تو گذرگاہوں پر پہرے بٹھادئے کہ باہر سے رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے۔ لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شماسیہ پر طاہر نے عبداللہ کو متعین کیا تھا۔ عیاروں نے اس کو سخت شکست دی۔ اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمہ مدد کو آیا تو عیاروں نے اس کو زندہ گرفتار کرلیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکے کے بعد عیار پیچھے ہٹے۔

پورے برس دن محاصرہ رہا۔ اور دارالاسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہوگیا۔ ایسا معمور اور پر رونق شہر دور دور تک کف دست میدان پڑا تھا۔ امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریباً دو کروڑ کے صرف میں طیار ہوئے تھے۔ اُن کے صرف کھنڈر باقی رہ گئے اہل شہر پر جو سختیاں گذریں اُن کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ سینکڑوں گھرانے برباد ہوگئے۔ ہزاروں بچے یتیم بن گئے ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں۔ شعرا نے نہایت جانکاہ مرثیے لکھے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۱۵ شعر کا ہے۔ اور اس قیامت انگیز واقعہ کی پوری تصویر ہے بغداد اتنا کچھ برباد ہوچکا تھا۔ تاہم۔ طاہر کو شہر میں داخل

ہونے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر خزیمہ جو امین کے درباریوں میں نہایت باثر شخص تھا۔ ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی خزیمہ ۲۲۔ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور دجلہ پر علم نصب کرکے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول کردیا گیا۔ اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہوگیا۔ دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا۔ بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی سی فوج متعین کی۔ اور بذات خود مدینۃ المنصور، قصر زبیدہ، قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔ یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے۔ بجائے خود ایک شہر تھے۔ اور ان کے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی۔

عبرت اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہرون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا۔ امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ "ایک رات امین دل بہلانے کے لئے محل سے باہر نکلا۔ اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ ابراہیم" دیکھیے کیا سہانی رات ہے۔ چاند کیسا صاف اور روشن ہے۔ دجلہ پر اس کا عکس پڑتا ہے۔ تو کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ایسے پرلطف وقت میں کیا چیز ضرور ہونی چاہیے"؟ شراب" امین نے کہا سمعا وطاعۃ غرض شراب آئی۔ امین نے میری طرف پیالہ بڑھایا۔ میں نے مزے میں آکر چند اشعار گائے۔ امین نے کہا، "نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہیے" حسب الطلب ایک مغنیہ کنیز آئی۔ امین نے نام پوچھا۔ تو اُس نے کہا "ضعف"۔ امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا۔ پھر کچھ گانے کی فرمائش کی وہ یہ شعر گائی۔ ے

کلیب لعمری کان اکثر ناصراً		وایسر جرماً منک ضرج بالدم

یعنی "اپنی عمر کی قسم۔ کلیب کے مددگار زیادہ تھے۔ اور وہ تجھ سے زیادہ .. براور عاقل بھی تھا۔ تاہم خون میں سلایا گیا" امین اور مکدر ہوا۔ اور دوسری چیز گانے کی فرمائش کی اُس نے یہ شعر گایا۔

ابکی فراقہم عینی فارقہا		ان التفرق للاحباب بکاء

یعنی ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رُلایا۔ اور نیند کھودی۔ جدائی دوستوں کو

سخت رلانے والی چیز ہے۔ امین نہایت منغض ہوا۔ اور خفا ہو کر کہا "کمبخت تجھے اس کے سوا کچھ اور بھی گانا آتا ہے؟" اُس نے عرض کیا کہ "میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سنکر خوش ہوں" پھر اُس نے چند اور ایسے ہی دردناک اشعار گائے۔ امین نے نہایت غصہ میں آکر کہا "ملعونہ دور ہو"۔ اٹھی تو ایک بلور کے پیالہ سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا۔ اور امین اُس کو زب رباح کہا کرتا تھا۔ ٹھوکر کھا کر گری۔ اس کے صدمے سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہوا کہ "دیکھتے ہو، آج کیا باتیں پیش آتی ہیں غالباً اب میرا وقت پورا ہوچکا" اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی قضے الامر الذی فیہ تستفتیان یعنے جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا۔" امین نے مجھ سے کہا "کچھ سنا بھی"۔ میں نے عرض گیا کہ "مجھکو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی۔" تاہم اٹھکر میں نہر کے قریب گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا تو واپس آکر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی۔ امین زندگی سے مایوس ہوکر اٹھا اور اس واقعہ کے دو ہی تین دن کے بعد قتل کیا گیا۔

اس یاس اور ناامیدی میں امین کو بھائی یاد آیا۔ اُس نے طاہر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا "آپس کی خانہ جنگیوں سے یہ نوبت پہونچی کہ اب عزت اور ناموس کیطرف سے بھی اندیشہ ہے۔ مجکو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھکر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو بہرحال میں اس پر راضی ہوں کہ تو مجکو امان دے تو بھائی ماموں کے پاس چلا جاؤں اگر اس نے عنایت کی تو اس کے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے۔ اگر قتل کرادیا تو گویا ایک نے دوسرے زور کو توڑا اور تلوار نے تلوار کو کاٹا۔ اگر شیر پھاڑ ڈالے اس سے اچھا ہے کہ مجکو کتا نوچ کھائے۔" یہ یقینی ہے کہ امین اگر ماموں تک پہونچ جاتا۔ تو ماموں کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی شیفع ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اس جان ضرور بچ جاتی لیکن طاہر نے جس کی قسمت میں تھا کہ ایک خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلائے۔ اس درخواست کو نامنظور کیا

امین کا قتل ۲۵ محرم ۱۹۸ھ

طاہر کے پیہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلادیا کہ اب اُن کے روکنے کی

کوشش قریبًا بیکار ہے۔ محمد بن حاتم بن الصقر۔ و محمد بن اغلب افریقی جن کی پامردی سے طاہر اب تک امین پر دسترس نہیں پاسکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے۔ اور امین کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ "نمکخواروں نے کورنمکی کی۔ دشمن حریم شاہی تک پہونچ گیا۔ اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جان نثار خاص انتخاب کرلئے جائیں جن کے لئے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں۔ انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے ہم ذمہ دار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کرسکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے۔ حضور وہیں کا قصد کریں۔ وہاں اس قدر خزانہ و مال موجود ہے۔ کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے بڑھا سکتے ہیں اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا" امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کرلیا کہ دارالخلافہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جائے طاہر کو یہ خبر پہونچی تو اس نے سلیمان بن منصور۔ محمد بن عیسٰے وغیرہ کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ ظاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اس کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ لیکن جان کے خوف سے طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کرسکتے تھے۔ طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ "اگر امین بچکر نکل گیا تو تم کو اپنی زندگی سے بھی مایوس رہنا چاہئے۔ جس طرح بنے اس کو اس ارادے سے باز رکھو مجبورًا یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے اور کہا "جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خودغرضی سے دی۔ چونکہ طاہر کے مقابلہ میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی دکھائی ہے۔ ان کو یقین ہے کہ اگر اس نے فتح پائی تو پہلے انہیں کی خبر لے گا۔ اس لئے یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت سے باہر نکلیں تو گرفتار کرکے طاہر کے حوالہ کردیں۔ اور اس کارگزاری کے صلہ میں اس سے عفو تقصیر کے خواستگار ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہوجائیں۔ اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں دیدیں۔ وہ آپ کا ادب ملحوظ رکھے گا۔ اور مامون سے تو پوری امید ہے کہ برادرانہ سلوک کرے۔ امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا۔ اور یہ رائے بھی مان لی اس قدر اختلاف کیا کہ بجائے طاہر کے ہرثمہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ ان جان نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو

جب اس ارادہ کا حال معلوم ہوا تو امین کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ "اگر حضور نے ہم خیرخواہوں کا کہنا نہ مانا۔ اور خود غرضوں کی رائے قبول کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہیئے۔" امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس وقت سے طاہر کا نام سنکر مجکو وحشت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار ہے جس کی بلندی آسمان تک پہونچی ہے۔ مین اُس دیوار پر لباس شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں بن دیوار میں طاہر استادہ ہے۔ اور دیوار کی جڑ کھود رہا ہے۔ بالآخر وہ گر پڑی جس کے ساتھ میں بھی نیچے آیا اور تاج شاہی سر سے گر گیا۔ اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ اس خاندان کا نمک پروردہ قدیم ہے۔ اور میں اس کو ظل سبحانی ہرون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں۔"

امین اسی رائے پر قایم رہا اور ہرثمہ سے امان طلب کی۔ اُس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا۔ اور جواب مین لکھا کہ "آپ اطمینان رکھین۔ کوئی شخص آپ کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سینہ سپر ہون گا۔ اور جب تک دم میں دم ہے ساتھ دون گا۔" طاہر کو یہ خبر پہونچی تو نہایت طیش میں آیا اور کہا کہ "یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آج تک تمام معرکون میں مین نے جانبازی کی ہو۔ اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہے ہرثمہ کو نصیب ہو۔" اس نزاع کے فیصل کرنے کے لئے عمائد بنی ہاشم اور سرداران فوج کا ایک بڑا مجمع ہوا۔ جس میں طرفین مقدمہ یعنے طاہر و ہرثمہ بھی شامل تھے۔ بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آئے اور چھڑی و چادر۔ و انگشتری۔ جو سند خلافت ہین۔ طاہر کے پاس بھیجدے مگر افسوس ہے۔ امین کی بدقسمتی نے اس تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہرش ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد خاص تھا۔ اور اب طاہر سے مل گیا تھا۔ اپنا تقرب بڑھانے کے لئے طاہر سے کہا کہ "آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ لوگون نے بندوبست کرلیا ہے کہ امین کے ساتھ خاتم خلافت وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے۔" طاہر نہایت برافروختہ ہوا۔ اور

لہ ثمہ نسبا ہاشمی تھا۔ اور چونکہ امین ہمیشہ سے اُس سے زیادہ مانوس تھا اس موقع پر بھی اُسی سے طالب امن ہوا۔ ۱۲

تیراندازون کا ایک دستہ متعین کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے اور اُن کو تاکید کی کہ امین نکل کر جانے نہ پائے محرم ۱۹۸ھ کی تاریخ ہفتہ کی رات قریبًا دس بجے امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس نے کہلا بھیجا کہ "دجلہ پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے۔ آج کی رات حضور اور توقف فرمائین تو کل میں فوج و حشم سے طیار رہون۔ اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہوکر لڑون" امین ایسے اضطراب و خوف کی حالت میں تھا کہ دار الخلافہ مین ایک لحظہ بھی ٹہرنا اس کو گران تھا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ "اس اضطراب میں کس سے رات کٹ سکتی ہے۔ بلائے یا نہ بلائے میں تو اسی وقت ہرثمہ کے پاس آتا ہون" امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت صحن القصر کے صحن مین ایک کرسی پر بیٹھا۔ اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے۔ اُس نے اپنے دونون بیٹوں کو بلایا۔ اور سینے سے لپٹا کر پیار کیا۔ انکی پیشانی اور رخسارون پر بوسے دیے۔ اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور نہایت حسرت کیسا تھ یہ کہکر رخصت کیا کہ "جاؤ خدا کو سونپا" امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو ہزاروں زرین کمر غلام رکاب کے برابر چلتے تھے۔ جنکی زرق برق پوشاکون اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیارون سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس حال سے دجلہ کی طرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں صرف ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کے لئے قصر الخلد سے ساتھ آئی ہے دجلہ کے کنارہ پر پہونچا تو ہرثمہ چند آدمیوں کے ساتھ اُسکے لینے کو پہلے سے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھکر سب تعظیم کو اُٹھے۔ ہرثمہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی۔ آداب شاہی نہ بجا لاسکا۔ اور گھٹنون کے بل کھڑے ہوکر معافی مانگی کہ "بیماری کی وجہ سے معذور ہون" امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہرثمہ نے اپنی آغوش میں لیا۔ ہاتھ اور پاؤن کو بوسے دیتا تھا اور اب امین پیار سے کہتا جاتا تھا "میرے آقا۔ میرے مالک۔ میرے سردار۔" ہرثمہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا کہ دفعتًا طاہر کے آدمیون نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور اسقدر پتھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پھاڑ کر ہلکا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کنارہ پر پہونچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ

امین کے ساتھ میں بھی کشتی میں تھا۔ لوگ مجکو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ میں بھی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دیا۔ میں نے دس ہزار درہم کے وعدہ پر جان بچائی۔ اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سوار آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کئے ہوئے لائے کہ بدن سے ننگا۔ صرف ایک پائجامہ پہنے تھا۔ سر پر ایک عمامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ پھٹی عبا۔ جس سے اُس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میں جس حجرہ میں محبوس تھا۔ اسی میں امین کو بھی بٹھا کر چلے گئے۔ اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرہ سے نقاب الٹی میں نے پہچانا تو بیساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا ”حضور کا نمکخوار غلام۔ احمد بن سلام“ امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا بھائی غلامی کیسی اس وقت تو تم میرے برادر اور قوت بازو ہو۔ مجھے ذرا سینہ سے لگا لو مجکو سخت وحشت ہو رہی ہے۔ میں نے لپٹایا تو اس کا کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا۔ پھر پوچھا کہ ”مامون کا کچھ حال معلوم ہے۔ میں نے کہا زندہ ہے“ کہنے لگا ”خدا پرچہ نویسوں کا بُرا کرے کمبختوں نے خبر دی تھی کہ مر گیا“ میں نے کہا ”خدا آپ کے وزیروں کا بُرا کرے“ امین نے کہا ”وزیروں کو کچھ نہ کہو۔ اُن کا کیا گناہ ہے کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں جو اپنے ارادہ میں ناکام رہا ہو“ پھر مجھ سے پوچھا کہ ”کیوں احمد! لوگ مجکو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے“۔ میں نے تسکین دی کہ ”نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کریں گے۔

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا۔ چادر میں لپٹا جاتا تھا میں نے اپنا شلوکہ اُتار کر دیا کہ اس کو بدن پر ڈال لیجئے۔ اُس نے نہایت شکر گزاری سے کہا کہ ”بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے“ آدھی رات گذری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لئے آئے۔ اور دروازہ پر ٹھہرے۔ امین یہ دیکھکر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا ”ہائے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں۔ کیا کوئی فریادرس نہیں“ امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا۔

مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بازو بھی تھا۔ اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں۔ ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا۔ امین نے بجائے سلاح جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اٹھا لیا۔ اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں ہارون[1] الرشید کا فرزند ہوں۔ مامون کا بھائی ہوں۔ میرا خون کسی طرح حلال نہیں۔ بالآخر ایک شخص تلوار لیکر بڑھا۔ اور امین کے سر پر ماری۔ اس گستاخی اور جرأت نے امین کو یقین دلایا کہ اسکی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کرسکتی۔ وہ مرنے کے لیے تیار ہوا۔ مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شہزادہ کو سزاوار تھا۔ اب اس کی نزاکت غضبناک جرأت سے بدل گئی دلیرانہ بڑھا۔ اور چونکہ تنہا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے۔ یہ دیکھکر گروہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری۔ کچھ سب نے مل کر پچھاڑا اور الٹی طرف سے ذبح کیا۔ طاہر کے پاس سر لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے۔ تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشا دیکھنے آیا۔ طاہر یہ کہکر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ یہ خلیفہ معزول کا سر ہے۔ طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا "میں امیر المومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں"۔ دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا۔ اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اُسنے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدۂ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دیے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام ارکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں

[1] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر زمانہ میں تھا۔ اس نے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہے اور نجوم کے قاعدہ کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہے۔ چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دیے ہیں۔ میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا۔

نامرتفع رہا۔ اور ہر طرف سے دو مبارکبادی کا غل اٹھا۔ اگرچہ اس وقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت بے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس واقعہ کا نہایت افسوس ہوا۔ اور طاہر کی تمام کوششیں اس کی آنکھ میں بے قدر ہو گئیں۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھی کہ ایک خواص نے آکر کہا۔ "حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کر دئے گئے"۔ زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں۔ اس نے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح حضرت عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں۔ حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لیں۔ زبیدہ نے کہا۔ لا ام لك ما للنساء وطلب الدماء پھر مامون کو یہ منظوم خط لکھا[1]

لوارث علم الاولین و فہمہم ۔۔۔ وللملك المامون من ام جعفر

ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم و فہم کا وارث ہے۔

کتبت و عینی مستہل دموعہا ۔۔۔ الیك ابن عمی من جفون و محجر

اے ابن عم میں تجکو لکھہ رہی ہون اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برساتی ہیں۔

وقد مسنی ذل و ضر کآبۃ ۔۔۔ وارق عینی یا ابن عمی تفکر

مجکو ذلت اور اذیت وہ رنج پہونچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا

اتی طاہر لا طہر اللہ طاہرا ۔۔۔ فما طاہر فیما اتی بمطہر

یہ طاہر کا کیا ہوا ہی (جس کو خدا طاہر نہ کرے) اور جوکچھ اس نے کیا اس کے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا

فاخرجنی مکشوفۃ الوجہ حاسرا ۔۔۔ وانہب اموالی واخرب ادوری

اس نے مجکو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا۔ اور میرا مال لوٹ لیا۔ اور مکانات برباد کر دے

یعز علی ہارون ما قد لقیتہ ۔۔۔ وما مر بی من ناقص الخلق اعور

اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجپر گذرا اگر ہارون ہوتا تو اس پر گران گذرتا۔

[1] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمۃ بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور صاحب عقد الفرید نے ابو العتاہیۃ کی طرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲)

فان کان ما ابدی بامرا مرشہ   صبرت لامر من قدیر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں کرتی ہوں۔ مامون یہ اشعار پڑھکر نہایت رویا۔ اور کہا کہ وہ واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لوں گا۔"

امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا۔ مسجد جامع میں جمعہ کی نماز خود پڑھائی اور خطبہ میں مامون کی مدح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں۔ شنبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون پر بیعت کی۔ امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا۔ ۲۸ برس کی عمر تھی ۴ برس ۸ مہینے ۱۰ دن خلافت کی۔ موزوں اندام۔ کشیدہ قامت نہایت خوبرو اور قوی تن تھا۔ کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح و بلیغ۔ اور سخن سنج تھا۔ لطیفہ۔ امین کو بچپن سے شعرگوئی کا ذوق تھا۔ زبیدہ خاتون نے ابونواس سے کہدیا تھا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے۔ ایک دن امین نے زبیدہ کے سامنے ابونواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سنائے۔ مگر جب ابونواس نے انہیں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں۔ تو وہ نہایت غصہ ہوا اور اسی جرم پر اس کو قید کر دیا۔ چند روز کے بعد جب ہرون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا۔ اور ابونواس کو قید سے رہائی دی۔ اس کے بعد ایک موقع پر ہرون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابونواس کو سنائے۔ امین نے دو ہی تین شعر پڑھے ہوں گے۔ کہ ابونواس اٹھ کھڑا ہوا۔ ہرون نے پوچھا "کیوں کہاں چلے" ابونواس نے کہا "دوبارہ قید خانہ"۔

امین میں جہاں سیکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ علم دوست تھا۔ فیاض تھا۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تھا۔ ہزاروں اہل فن اس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے۔ عام ملک پر شاید اس کا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اس کے اوج و حشم ناز و نعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا۔ شعراء نے جس دردناک لہجہ میں اس کا مرثیہ لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اس کو سنکر ضبط کا دعوی کر سکتا ہے۔ ابو عیسے کے دو شعر

کس دل سے نکلے ہوں گے کہ نشتر کا کام دیتے ہیں۔

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول

میں نہیں جانتا تجھ پر کیوں کر رو ؤں اور کیا کہ کے روؤں۔

لم تطب نفسی اسمیک قتیلا یا قتیل

اے مقتول دل گوگوارا نہیں کہ تجھ کو مقتول کہوں

ایک شاعر نے لکھا ہے

سالت الندی والجود مالی اراکما
تبدلتما عزا بذل موبد
ومالی اری بیت المکارم واهیا
فقالا اصبنا بالامین محمد
فقلت فهلا متما بعد فقده
وقد کنتما حسن نیة فی کل مشهد
فقالا اقمنا کی نعزی بفقده
صبیحه یوم ثم نتلوه فی غد

میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تمکو دیکھتا ہوں
کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی
اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں
دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے
اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اُس کے مرنیکے بعد کیوں نہ مر گئے
اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس لئے ٹھہر گئے کہ اس کے مرنیکا پرسا دیا جائے
پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

مامون کی خلافت ۱۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۶ محرم ۱۹۸ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کیلئے بیعت کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ مامون نے گو عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ خلافت بھی درحقیقت اُسی کے پنجہ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزون طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا۔ طاہر جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کی یہ قدر دانی کی کہ اس کے تمام ممالک مفتوحہ یعنی کوہ الجبال فارس اہواز بصرہ کوفہ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا۔

طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ امین کے ہواخواہوں میں تھا۔ اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی ۱۹۹ھ میں حسن بغداد داخل ہوا۔ اور ہر شہر و صوبے پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا۔ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے اصلی باعث یہی لوگ ہوئے تھے۔ اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں اِن کو نہایت اندیشہ ولاتی تھیں کہ عجم پھر دوبارہ محیط نہو جائیں کیونکہ فضل بن سہل و حسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے۔ جس قدر ان دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم۔ اور افسران فوج زیادہ بے دل ہوتے گئے۔ لوگوں مین یہ بھی مشہور ہوا کہ فضل مامون کے حضور مین کسی شخص کو حتی کہ خاندان شاہی کے لوگون کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا مامون خود پردے مین رہتا ہے۔ اور انتظامات ملکی عموماً فضل کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون ماں کی طرف سے عجمی الاصل تھا۔ یہ بدگمانی کہ "رفتہ رفتہ اہل عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جائیں گے" زیادہ قوی ہوتی گئی۔ اور بالآخر اُس کی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ابن طباطبا کا خروج ۱۹۹ھ

ملک مین جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علوئین کے خیالات خلافت تازہ ہو گئے اول جس شخص نے علم خلافت بلند کیا وہ ابو عبداللہ محمد تھے جو ابن طباطبا کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ اُن کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لیئے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و نسق کے لیئے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابو السرایا کی شرکت سے پولیٹیکل بازو بھی قوی ہو گیا یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال مین ایک نہایت ذلیل آدمی تھا۔ اور کرایہ کے گدھون سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اُس نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا۔ مین التمر و قوت انبار پر چڑھ گیا۔ مامون کو شکستین دین۔ اور خزانہ لوٹ لیئے رقعہ پہنچا

تو یہی ابن طبا طبا سلے جو خلافت کے دعویدار بنکر اُٹھے تھے۔ ابو السرایا کو بھی مشغلہ ہاتھ آیا۔ اُس نے اِن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور اُن سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھیئے۔ میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں۔ کوفہ پہنچکر اُس نے پہلے قصر العباس کو لوٹا۔ یہ ایک شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال۔ خزانہ۔ دفتر۔ یہیں رہتا تھا۔ اِس لوٹ میں بے شمار نقد و اسباب ہاتھ آیا۔ جو ایک مدت سے جمع ہوتا آیا تھا۔ شہر پر پورا قبضہ ہوگیا۔ اطراف سے بھی جوق جوق لوگ آئے اور ابن طبا طبا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حسن بن سہل نے زہیر بن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طبا طبا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔ زہیر کو شکست ہوئی۔ اور ابو السرایا کے حکم سے جس قدر نقد و اسباب زہیر کی فوج میں تھا۔ لوٹ لیا گیا۔ ابن طبا طبا نے بےرحمی پسند نہ کی۔ اور لوگوں کو غارت گری سے منع کیا۔ ابو السرایا نے یہ دیکھکر کہ ان کے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے۔ دوسرے دن ابن طبا طبا کو زہر دلوادیا۔ اور برائے نام ایک کم سن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طبا طبا کا ہم پلہ تھا۔ خلیفہ قرار دیا۔ اِس فرضی خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب تھا۔ اب حسن بن سہل نے عبدوس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اِس مہم پر بھیجا مگر بدقسمتی سے اِس معرکہ میں بھی جو ۱۷۔ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی۔ عبدوس خود مقتول ہوا۔ اور باقی اہل لشکر کچھ لڑائی میں مارے گئے۔ کچھ زندہ گرفتار ہوئے۔ اِس فتح نمایاں کے بعد ابو السرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ خطبہ جاری کیا۔ اور بصرہ۔ واسط۔ اہواز یمن۔ فارس۔ مداین۔ پر فوج و افسر بھیجے جو اکثر کامیاب ہوئے یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے۔ اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ اُن کی ذاتی شجاعت بھی مسلم تھی آسانی سے اُنکو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تھا۔ جتنے نامور افسر تھے سب نے ابو السرایا کے مقابلے میں شکست کھائی۔ یا میں معرکہ جنگ میں لڑکر مارے گئے۔ طاہر ذوالیمینین و ہرثمہ

ابن امین۔ صرف وہ ایسے جنرل تھے۔ جو ابو السرایا کا زور گھٹا سکتے تھے۔ مگر طاہر نصر سے شکست کھا کر رقہ میں گویا محصور تھا۔ اور ہرثمہ۔ خود حسن سے ناراض ہوکر خراسان کو روانہ ہو چکا تھا۔ حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا اگرچہ موجب عار تھا۔ اسکے علاوہ یہ بھی اطمینان نہ تھا کہ وہ اس درخواست کو منظور کرے گا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تھی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پھرا اور کوفہ کو روانہ ہوا۔ قصر بن ہبیرہ کے قریب ابو السرایا سے مقابلہ ہوا۔ ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی۔ ابو السرایا بھاگتا ہوا کوفہ کو پہونچا۔ سادات یا علویین جو اُسکے ساتھ تھے ہرثمہ سے شکست کھا کر انتقام کے جوش سے لبریز تھے۔ کوفہ میں جس قدر آل عباس اور اُن کے خدم وحشم تھے سب کے مکانات آگ لگا کر برباد کر دیئے۔ جاگیریں لوٹ لیں۔ اور دل کھول کر غارتگری کی۔ ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کا محاصرہ قایم رکھا۔ بالآخر ۱۶۔ محرم ۲۰۰ھ کو ابو السرایا کوفہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور سوس کے مضافات میں خوزستان ایک مقام میں ٹھیرا۔ حسن بن علی ماموئی جو اس علاقہ کا عامل تھا۔ اور اس زمانہ میں وہاں موجود تھا۔ یہ خبر سُنکر خوزستان کو واپس آیا اور چونکہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ ابو السرایا کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہمارا علاقہ چھوڑ کر اور جدھر چاہو چلے جاؤ"۔ غالباً ابو السرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا۔ کہلا بھیجا کہ "میں نے جس حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے۔ اُس کی شہادت تلوار دے سکتی ہے"۔ لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابو السرایا کے خلاف ہوا۔ تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو کر گھر کی طرف چلا۔ راہ میں بمقام جلولا گرفتار ہوا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ یہ فتنہ تو یوں فرو ہوا۔ مگر ابو السرایا نے ابتدا میں اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال و نائب مقرر کئے تھے چونکہ اکثر علوی یا فاطمی تھے۔ اسلئے ابو السرایا کے قتل نے اُن کی خودسری میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا۔ اُن لوگوں نے اپنی دوزہ حکومت میں جو ظلم و زیادتیاں کیں اُن کے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ سینکڑوں خاندان تباہ کر دئے۔ عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلائے۔ حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ تک لوٹ لیا۔ محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کے لیئے

عرب کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علوئین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہوگیا کہ لوگوں کے ننگ وناموس کا
پاس اُٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسے یمن کے عامل تھے۔ اور سفاکانہ قتل وغارت کی وجہ سے
قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح وآشتی سے اُن لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ
کب رام ہوسکتے تھے۔ لڑے اور شکست کھائی۔ بعض گرفتار ہوکر مامون کے پاس
حاضر کئے گئے۔ مگر اُس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں میں بیٹھکر
اعتراض کے لیئے قلم اٹھاتے ہیں۔ وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹکل ضرورتوں کا اندازہ داں
ہے اِس اعتراض کو مشکل سے تسلیم کرے گا۔ سادات اور علوئین کو دو دن کے لیئے زور
ہو گیا تو ملک میں کیا قیامت برپا ہوگئی! عباسی خاندان ان کی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ
سکتا تھا اور جو کچھ ان سے برتاؤ ہوا۔ اسی ضرورت سے ہوا۔

ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۰ھ

سادات اور علوئین کی بغاوتیں تو فرو ہوگئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ
روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان
کا دارالخلافہ ہونا گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ اِس سے زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری
کے معزز منصب پر فضل و حسن ممتاز تھے۔ جو مجوسی النسل تھے۔ اہل عرب کو صاف نظر آرہا
تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے۔ مامون اسوقت تک
حکومت کی حیثیت سے گو بالکل معطل تھا۔ سیاہ و سپید کا مالک فضل تھا اور اُس نے دانستہ
خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قایم
رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ ملک میں یہ کچھ برہمی پھیلی تھی۔ لیکن فضل نے مامون کو اِن حالات
کی خبر تک ہونے دی۔ مامون کے کانوں میں جو صدا جہان سے۔ پہونچتی تھی وہ فضل
کی صدا تھی۔

افسران فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علوئین کی پرزور

بغاوتوں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا۔ خلافت عباسیہ پر اُسکے اور بہت سے حقوق تھے۔ جنکے اعتماد پر اُس نے یہ جرأت کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابو السرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اُسنے خراسان کا ارادہ کیا فضل نے یہ خبر سُنی تو مامون کے متعدد فرمان اُسکے نام بھجوائے کہ "یہان کچھ ضرورت نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں۔ ادہر کا قصد کرو" مگر ہرثمہ نے جسکو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا۔ ان احکام کا کچھ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا۔ فضل نے مامون سے کہا۔ حضور نے دیکھا! ہرثمہ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے۔ لیکن حضور خود خیال فرمائین ملک پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ہرثمہ ذوالقعدہ سنہ ۲۰۰ھ مین مرو پہونچا۔ اور اس خیال سے کہ شاید اُس کے آنے کی خبر مامون سے مخفی رکھی جائے نقارہ بجنے کا حکم دیا۔ مامون نے درباریون سے پوچھا "یہ کیسا غل ہے"؟ لوگون نے کہا "ہرثمہ جو چمکتا گرجتا آرہا ہے"۔ ہرثمہ دربار مین حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے[۱]۔ چند روز کے بعد اُسکو فضل نے قتل کرا دیا۔ اور مامون سے کہدیا کہ اپنی موت سے مر گیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد پہونچی تو ایک تلاطم مچگیا۔ محلہ حربیہ والوں نے پہلے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال و حکام برطرف کر دئے تھے۔ اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں اور ایک نئی ہل چل ڈالدی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اُسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ واسط مین مقیم تھا محمد بن ابی خالد اُسکے مقابلے کے لیے سنہ ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا۔ راہ مین حسن کی متعدد فوجین مقابل ہوئین اور شکست کھا گئین۔ محمد دیر العاقول پہونچا اور زہیر بن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا گرفتار کر کے پابزنجیر بغداد بھیجدیا۔ ہرون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونون باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج اون کے مقابلہ کو روانہ کی۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۲۰۱ھ

---

[۱] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا کہ آپنے اس مجوسی (یعنی فضل بن سہل) کو سر پر سوار کر رکھا ہے" مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اُسکو دربار سے نکلوا دیا۔

سنہ ۲۰۱ھ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اُٹھائے تھے۔ اِسلیئے مجبورانہ بغداد کی طرف اُلٹا پھرا حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے۔ اور بالآخر بغداد پہونچکر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند جیسے باپ کا جانشین بنا اور اہل بغداد کو لکھا کہ "اگر میرا باپ نہیں رہا تو میں اِس کا نعم البدل موجود ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کر دوں گا۔ تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اُس کی حکومت تسلیم کی۔ اگرچہ حسن کی تاہر فوجوں نے جیسے اور اوس کے بھائی ابوزنبیل کو فاش شکستیں دیں۔ لیکن یہ پرجوش صدا کہ "مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کرسکتا" پست نہوئی ✤

حضرت علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ۲ رمضان سنہ ۲۰۱ھ

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے۔ مگر مامون ایسی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اُسکے کان پر جوں نہ چلی۔ ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہوگیا تھا کہ اُسکے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہونچ سکتی تھی۔ اب اُس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کر دیا۔ مامون کی بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی۔ جس کا ثبوت اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پر زور بغاوتیں جو اُسکے عہد میں ہوئیں اِسی مقدس خاندان کی افسری میں ہوئیں تاہم اُس نے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی انکی عظمت نسب کا لحاظ رکھا۔

اِس زمانہ میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے۔ جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ اُن کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایان تھا۔ مامون نے اُن کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہا۔ اِس سے پہلے سنہ ۲۰۰ھ میں اُسنے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں۔ آستانۂ خلافت میں حاضر ہوں جیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ نوہی پشت میں۔ حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار ازنان و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا

استقبال کیا۔ اور عباسی نسلیں پورے برس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثنا میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا۔ اور یہ قطعی رائے قایم کرلی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گران سنبھال سکے۔ اب سنہ ۲۰۱ھ میں اُس نے ایک دربار جس میں تمام اعیانِ سلطنت و اراکین دربار موجود تھے منعقد کیا۔ اور سب سے خطاب کرکے کہا کہ "آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں۔ میں اون کی لیاقت کا صحیح اندازہ کرچکا ہون۔ نہ ان میں اور نہ آل علی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعوے کرسکے"۔ اُس کے بعد اُس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لیئے بیعت لی۔ اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا۔ جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدلدی گئی تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ "امیر المومنین مامون کے بعد حضرت علی رضا تاج و تخت کے مالک ہیں۔ اور ان کا لقب الرضا من آل محمد ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ اون کے لیئے بیعت عام لیجاوے اور عموماً اہل فوج۔ و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کرین۔ اِس اوس کے حکم نے بغداد مین ایک قیامت انگیز ہل چل ڈالدی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہوگیا۔ بعضون نے بجبر اس حکم کی تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ "خلافت خاندان عباس کے دائرے سے باہر نہیں جاسکتی"۔

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی یکم محرم سنہ ۲۰۲ھ

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد مین پہنچے! عباسیون نے اوسی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تھی۔ ۲۵۔ ذوی الحجہ روز سہ شنبہ سنہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی۔ پھر دو شخص مقرر کیئے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص بخطاب عام کہے کہ "مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت قرار دینا چاہتے ہین۔ دوسرا برابر سے بولے کہ "مامون تو معزول ہوچکا۔ خلیفہ وقت ابراہیم ہے۔ اور ولیعہد خلافت اسحاق

بن الہادی۔ غالباً اس طریقہ سے عباسیون نے رضامندی عام کا اندازہ کرنا چاہا۔ مگر اون کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہے تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگون کو عام ہمدردی نہیں ہے۔ چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے چلے گئے۔ تاہم سندی و صالح کی کوششوں نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہونچا دیا۔ اور یکم محرم ۲۰۲ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت کی ابراہیم نے اپنا لقب "مبارک" اختیار کیا۔ اس زمانہ میں قصر ابن ہبیرۃ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید مامور تھا۔ اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرفدار تھا مگر اوسکے ساتھ جتنے افسر تھے۔ خصوصاً سعید و ابو البط ابراہیم سے مل گئے۔ ان لوگون نے اودھر تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلاف ابراہیم سے خط وکتابت رکھتا ہے اودھر ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر ابن ہبیرۃ پر قبضہ کرا دین۔ حسن نے گو ان تحریرون کا چندان اعتبار نہیں کیا۔ تاہم اسکو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کے لیئے حمید کو اپنے پاس بلا لیا۔ ابراہیم نے موقع پا کر عیسٰے بن محمد کو بھیجا جس نے ۱۰ ربیع الثانی کو قصر ابن ہبیرۃ پر قبضہ حاصل کیا۔ اور حمید کا اسباب و خزانہ جسمیں نقد کی قسم سے سو توڑے تھے غارت عام میں آیا۔ حمید نے یہ خبر سُنی تو کوفہ کو واپس آیا۔ یہان حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے۔ حمید نے اون کو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ تو تمام کوفہ آپ کے ساتھ ہوگا۔ اور میں تو جان نثاری کے لیئے حاضر ہی ہوں" حمید نے لاکھ درہم بھی اون کی نذر کیئے اسکے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگون نے حسن کا ساتھ دیا۔ مگر جن لوگون کو شیعہ پن مین زیادہ غلو تھا اُنھون نے حسن سے کہا کہ "اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لیجاوے تو ہم بدل موجود ہین لیکن بیچ مین مامون کا واسطہ ہوگا۔ تو ہم سے امید نرکھنی چاہیئے" چونکہ اون کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی۔ یہ لوگ ناراض ہو کے اور بالکل بے تعلق ہو کر اپنے گھرون میں بیٹھ رہے ۔

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید و ابوالبط کو متعین کیا۔
جنہوں نے حال میں اپنی کارگذاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہبیرہ
پر قبضہ دلا دیا تھا۔ یہ دونوں افسر قریہ شاہی میں پہونچے تو عباس نے اپنے چچیرے
بھائی علی بن محمد کو اُن کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ دوسری جمادی الاول ۲۰۲ھ کو دونوں
حریف معرکہ آرا ہوئے۔ علی بن محمد نے ذرا دیر لڑ کر شکست کھائی۔ اب ابوالبط و سعید کوفہ
پر حملہ آور ہوئے۔ آل عباس جو یہاں موجود تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ نہایت
سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی جے پکارتے تھے اور نعرے
مارتے تھے کہ "مامون کی حکومت نہیں رہی" تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح
و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ اور دوسرے دن کی نوبت آئی۔ چونکہ فریقین کا یہ
حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی آگ لگا کر غارت کر دیا۔ رؤسائے
کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں
کو لیکر کوفہ سے چلے جائیں۔ فریقین نے اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اور کوفہ دونوں
دعویداروں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرہ کو واپس چلا گیا۔
کوفہ و اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہو گئی لیکن یہ فتحین خلافت کا قطعی
فیصلہ کرنے والی نہ تھیں۔ کیونکہ ہنوز واسط میں حسن بن سہل ایک فوج گران کے ساتھ موجود
تھا۔ ابراہیم نے اس بڑی مہم کے لئے عیسٰے کو انتخاب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خازم
کو بھی حکم ہوا کہ عیسٰے کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کوفہ کی فتح سے آتے
تھے ساتھ ہوئے۔ غرض یہ بشمار لشکر واسط کے قریب نام صیادہ میں صف آرا ہوا
حسن بن سہل قلعہ بند ہوا۔ عیسٰے چند بار لڑنے کی غرض سے حسن کے لشکرگاہ کی طرف
گیا۔ مگر اس نے بالکل خاموشی اختیار کی تھی۔ اور حکم دیدیا تھا کہ لشکر کا کوئی شخص قلعہ
سے باہر نہ جائے۔ غالباً اس مدت میں اُس نے عیسٰے کی قوت کا اندازہ کیا بالآخر ۲۲
رجب کو فوج اس کے حکم سے عیسٰے پر حملہ آور ہوئی۔ صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز
معرکہ رہا۔ عیسٰے نے شکست کھائی اور مرتا ہوا بھاگ کر دم لیا۔

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل سنہ ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا۔ ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا۔ تاہم اُسکو بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ ابتدا میں تو حسن بن سہیل کی گورنری کا جھگڑا تھا۔ لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے حضرت علی رضا کی ولیعہدی پر تھے درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدا نہ پہونچائی تو خود حضرت علی رضا نے اِس فرض کو ادا کیا۔ انہوں نے مامون سے کہا کہ "امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں۔ اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے" یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی۔ مامون دفعتاً چونک پڑا اور جیسا کہ ذوالریاستین نے اُس کو یقین کرا دیا تھا۔ اُس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں نے انتظاماً اُس کو نائب الریاست بنا رکھا ہے۔ حضرت علی رضا نے فرمایا کہ "ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپ کی نظر سے چھپا دیے۔ اور اب جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جس کو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں۔ حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے۔ اور آل عباس میں عموماً ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے" (مامون) "درباریوں میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے؟" (علی رضا علیہ السلام) ہاں یحییٰ بن معاذ و عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر" مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جو حضرت علی رضا فرماتے ہیں۔ تم اُس کی نسبت کیا جانتے ہو۔ ذوالریاستین کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین ان کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکے گا۔ اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھدی۔ تو ان لوگوں نے پوست کندہ حالات بیان کر دیئے۔ اور کہا کہ ہرثمہ انہیں باتوں کے عرض کرنے کے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ مگر ذوالریاستین نے ایسے جان نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا۔ اور اُس کی

تمام امیدین خاک مین ملادین۔ ان لوگون نے مامون کو یہ بھی جتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہیں کی جاتی تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ چونکہ ان لوگون نے اپنی شہادت میں یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دار الخلافۃ میں تشریف رکھنا ان سب مشکلون کو حل کردیگا۔ مامون نے بغداد کا قصد کیا۔ ذوالریاستین کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے بآسانی معلوم کرلیا کہ مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے۔ اُس نے تمام افسرون کے نام بھی تحقیق کر لیئے۔ اور حضرت علی رضا کے سوا جن پر اُس کا قابو نہین چل سکتا تھا۔ یا پاس ادب مانع تھا۔ باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی اذیتین پہونچائین کسی کو قید کیا۔ کسی کو کوڑے پٹوائے۔ کسی کی ڈاڑھی اُکھڑوائی۔ اس پر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھ بازپرس نہ کرسکا۔ اور جب حضرت علی رضا نے اس کا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ ودمیں غافل نہین ہون۔ مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہون۔

مامون جب سرخس پہونچا۔ تو چند آدمیون نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا۔ حمام مین پہونچکر جمعرات کے دن ۲ شعبان سنہ ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کردیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل میں شریک تھے سب مختلف اور دور دور ملکون کے رہنے والے تھے۔ یعنی قسطنطین، روم کا۔ فرج دیلم کا۔ موفق صلیقہ کا۔

مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلون کو گرفتار کرکے لائے اُس کو دس ہزار اشرفیان انعام میں ملیں گی۔ عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا۔ جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کیئے گئے اور پوچھا گیا کہ ”کس کے ایما سے تم نے ایسا کیا؟“ تو سب نے خود مامون کا نام لیا۔ اور اس بیباکی پر یا اصل جرم کی پاداش مین مامون کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔ اس کے بعد عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشخاص جن پر شبہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ جانتے ہو۔ سب نے کانون پر ہاتھ رکھا۔ مامون نے ان لوگون کو بھی قتل کرا دیا۔ گو تمام واقعات شہادت دے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا۔ مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیون سے اس یقین کو شبہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوا دئے۔ اور نامۂ تعزیت مین بہت کچھ رنج و غم ظاہر کیا۔ اور لکھا کہ ”تم اپنے

بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیے گئے۔" ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دے کر کہا کہ "آپ صبر کریں۔ بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں۔" ان موثر فقروں نے اس کو اور بھی بیتاب کردیا۔ اور رو کر کہا کہ ایسے بیٹے کا کیوں نہ غم کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا۔" ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اُس کے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے بَری نہوئی۔ تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھ بدل گئی۔ اور کم سے اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی کہ اگر ایسا ہوا بھی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اُس نے فراموش نہیں کیا ہے۔ اور اُس کے خاندان کے ساتھ اب بھی اُس کو وہی ہمدردی ہے۔ جو پہلے تھی۔ ذوالریاستین کی موت نے یوں تو اُس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہونچایا۔ مگر اُس کے بھائی حسن نے اِس واقعہ کے بعد سے ایک دن بھی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی۔ اور بالآخر اسی صدمہ نے اُس کو مختل الحواس کردیا ۲۰۳ھ میں اُس کے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ مامون اُس کی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ دراصل فضل کے قتل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات ۲۰۳ھ ماہ صفر

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہونچکر دفعتاً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہرون الرشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہرون الرشید کی قبر اکھڑوا کر حضرت علی رضا بھی اُسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہو۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا۔ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا۔ اور رو رو کر کہتا تھا

وہ اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤن"۔ تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اُس کی خوراک رہی[۱]۔

اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفاے بنی عباس کا نہایت دشمن تھا۔ ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ماینفع الرجس من قرب الذکی و لا علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی) وہ ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہین پہونچتا۔ اور نہ پاک کا اُس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے"۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ "حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا"۔ مگر ایک خاص فرقے نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے۔

شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ "خود مامون نے زہر دلوایا"۔ افسوس ہے کہ ہمکو شیعون کی تاریخی تصنیفات نہین ملین کہ ہم اس بحث کو دونون فریق کی روایتون کے لحاظ سے فیصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفین جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیون کی ہی تصنیفین ہین۔ اور بظاہر اُن مین مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تاریخی واقعات کی نسبت ہمکو انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ جہان تک ہمکو معلوم ہے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جراءت نہین کی ہے۔ بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظون مین اس غلط خیال پر تعجب ظاہر کیا ہے مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے۔ ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات اُن لوگون کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے۔ ہم اُس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں۔ تاہم اُس نے مامون کے بجاے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لین تو بھی یہی ماننا پڑیگا۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اس کو کوئی سازش مقصود نہ تھی۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے۔ اور نہ اُن سے

---

[۱] ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت علی رضا کی تجہیز و تکفین مین شریک تھا۔ اور مین نے ابن واضح کی تاریخ سے اسکو نقل کیا ہے۔ ۱۲۔

حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا۔ جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے۔ مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے بہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا۔ کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے۔ انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہو گی

حضرت علی رضا آئمہ اثنا عشری میں ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۵۳ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ نہایت بڑے عالم اور اتقائے روزگار میں سے تھے۔ مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ لکھے اس نے جواب دیا کہ "ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے"۔ چونکہ ذوالریاستین۔ اور حضرت علی رضا کی وفات سے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ "اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو"۔ مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا۔

ابراہیم کی معزولی ۲۰۳ھ

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا۔ تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسےٰ بن محمد و مطلب بن عبد اللہ وغیرہ افسران فوج اس کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ اس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے۔ مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اسیوقت تک ہے جب تک مامون بغداد سے دور ہے جب اسکی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ مطلب بیماری کا بہانہ کرکے مدائن سے چلا آیا۔ اور بغداد میں لوگوں سے خفیہ

مامون کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ خود منصور بن المہدی ابراہیم کے بھائی نے بلا طلب بیعت کی مطلب نے علی بن ہشام و حمید کو بھی لکھا کہ بغداد چلے آؤ۔ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوتے تو مدائن سے روانہ ہو کر ۱۵ صفر سنہ ۲۰۲ھ کو زندرود پہونچا۔ اور جن لوگون نے مامون کے لئے بیعت کی ان کو طلب کیا۔ جن مین سے منصور و خزیمہ تو حاضر ہو گئے۔ اور اُن کا قصور معاف کر دیا گیا۔ لیکن مطلب کو اُسی کے خاندان نے روکا کہ "اپنی بات پر قائم رہنا چاہیئے" ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ ۲ صفر کو مطلب کا گھربار لوٹ لیا جاوے۔ حمید و علی بن ہشام اب ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے ابراہیم کا نہایت نامور افسر عیسےٰ بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال سنہ ۲۰۲ھ میں باب الجسر پر اُس نے یہ اعلان دیدیا کہ میں اس معاملہ میں دونون فریق سے الگ رہون گا۔ اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اُس کی طلب کے لئے متعدد قاصد بھیجے۔ بڑے اصرار سے آیا تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا۔ اُس نے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیظ میں آکر اس کو قید خانے بھیجدیا۔ اور اُس کے چند افسر واشخاص کو بھی سزا دی عیسےٰ ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا اور بہت سے نامور افسر اُس کے ساتھ تھے۔ اُس کے قید ہونے نے سبکو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس جو عیسےٰ کا خلیفہ خاص تھا۔ اُسنے اپنی پرجوش تقریرون سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنا دیا۔ جسر و کرخ وغیرہ پر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکالدئے گئے اور لوگون نے حمید کو خط لکھا کہ آپ یہان قاصد بھیجئے کہ بغداد آپکے حوالہ کر دین۔ حمید نہر صرصر پہونچکر ٹھہرا عباس و تمام افسران فوج اُس کے استقبال کو گئے یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ مین مامون کا خطبہ پڑہا جاوے۔ اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے۔ حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس درہم دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا۔ مگر انعام کی تعداد میں اس لئے اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا۔ کیونکہ علی بن ہشام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہل فوج نے کہا کہ اس وقت ہمکو چالیس دلائے جاوین تا کہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے۔ عیسےٰ نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑہا کر ساٹھ کر دیا جسکے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع ہو گیا

ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسٰے کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پر جائے عیسٰے نے ایک سازشی حملہ کیا۔ اور وسط فوج میں گھس گیا۔ جس سے ظاہر میں یہ دکھانا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اُس نے جان تک کی بھی پروا نہ کی۔ لیکن فوج نے اس کی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کر لیا۔ ابراہیم نے باقی ماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا۔ یہ اس کی اخیر کوشش تھی۔ لیکن وہ اب بھی کامیاب نہ ہوا اخیر ذی قعدہ ۲۰۳ھ میں جو معرکہ ہوا اس نے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ تاریخ بدھ کی رات ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صفحہ تھا۔ جس دن اُس نے تبدیل لباس کی۔ اور کہیں غائب ہو گیا۔
ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس گیارہ مہینے ۱۲ دن کی عمر پائی

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر ۲۰۴ھ

مامون قریباً رجب ۲۰۳ھ میں مرو سے روانہ ہوا۔ اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہونچا۔ اس کا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا دورہ تھا۔ جس میں اُس نے حالات ملک سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہروں میں مناسب انتظامات کیے۔ نہروان پہونچا تو بغداد کے تمام اعیان و عمائد و افسران فوج بڑے جوش سے اُس کے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الحسین بھی جس کو مامون نے رقعہ سے طلب کیا تھا۔ یہین باریاب حضور ہوا۔ نہروان مین آٹھ دن قیام کر کے مامون بغداد کو چلا۔ اور ۱۵ صفر ۲۰۴ھ کو بڑی شان و شوکت سے دار الخلافہ میں داخل ہوا جہان ایک مدت سے ہزاروں نگاہین اس کا انتظار کر رہی تھین۔ مامون خود اور اس کے تمام افسر سبز لباس میں تھے۔ اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار مین آتے مگر عام خواہش اس کے خلاف تھی۔ لوگ آرزومند تھے کہ اُن کی آنکھین عباسیہ حکومت کو اس کے اصلی لباس میں دیکھین چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلا کر اُس کی کارگزاریوں کا صلہ دینا چاہا۔ اور کہا کہ "جو مانگنا ہو مانگ" تو اُس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آرزو پوری کر دی جائے مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی۔ اُس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا۔ اور طاہر ذوالیمینین و تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت کیے

۲۴ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے۔ اور اُس دن گویا یہ کھلی اعلان عام دیدیا گیا کہ "اب تمام اسلامی دنیا میں **آل عباس** کی حکومت ہے۔

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ھ

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جس کی دار الخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتہی ہوتی ہے۔ نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر ماموں کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ ماموں بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا۔ بے تکلفی میں اُس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ طاہر نے باادب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے"! ماموں نے کہا "یہ قیدیں دربار عام کے لئے مخصوص ہیں بے تکلفی کے جلسوں میں اس قسم کے قواعد کی پابندی ضرور نہیں" طاہر آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔ ماموں نے اُسکی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جسکا حضور رنج کر سکتے ہیں" ماموں نے کہا کچھ "ایسی بات ہے۔ جس کے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اُس وقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے جسین جو ماموں کا ساقی اور ندیم خاص تھا۔ طاہر نے اسکو دو لاکھ درہم نذر بھیجے اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کر دے جسین نے موقع پاکر پوچھا ماموں نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اڑا دوں گا" سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے۔ تو بھائی امین کا ذلت و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے "میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہونچے گا" طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا۔ (حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا) اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدے سے خالی نہیں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ ماموں کی آنکھ سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اُس کا ذمہ لیا۔ اور دوسرے دن صبح کے وقت ماموں کے پاس حاضر ہوا۔ چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی ماموں نے

پوچھا کیوں۔ کیا کوئی نئی بات ہے (احمد) حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی (مامون) آخر کیوں۔ (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان کو دی جس کے ساتھ مٹھی بھر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں۔ اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا غسان اُن کو روک سکیگا (مامون) یہ خیال تو مجھکو بھی تھا۔ اچھا تم کسی کو تجویز کرتے ہو (احمد) طاہر ذوالیمینین سے بہتر کون شخص انتخاب ہو سکتا ہے (مامون) مگر اس کے خیالات تو باغیانہ ہیں۔ اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے (احمد) اس کا میں ذمہ وار ہوں (مامون) اچھا تو تم اپنی ذمہ واری پر مقرر کرو۔ طاہر طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنروں کو ملتے تھے۔ عطا ہوئے۔ طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹ ذوقعدہ ۲۰۵ھ ہجری کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اس کے بعد صاحب الشرطہ مقرر ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اس کی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہونچا دیا تقرر کے وقت مامون نے اس کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اس سے کم کہا جس کے تم واقعی مستحق ہو" طاہر نے یہ مژدہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا[1]۔ جو آئین حکومت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل تھا یہ خط اس قدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں۔ خود مامون نے اس کی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں۔ اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین۔ و تدبیر و رائے۔ و سیاست۔ و اصلاح ملک۔ و حفاظت سلطنت و قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔

عبدالرحمن بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ

اسکی بغاوت نہ چنداں بیجا تھی نہ بہت پرزور تھی۔ لیکن وہ اس لئے زیادہ یاد

[1] علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس خط کو تمام و کمال نقل کیا ہے

رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اُس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہوگئے تھے۔ اُن کو ایک صاحب شر شخص سمجھ کر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ لیکن ایک معاہدہ امن بھی لکھ کر دے دیا کہ اگر عبدالرحمن قبول کرے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہوا۔ اور معاہدہ امن عبدالرحمن کے پاس بھیجدیا عبدالرحمن نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں سے نہایت تنگ آگیا تھا۔ اب اُس نے ۲۸ ذوقعد ۲۰۱ھ ہجری کو حکم دیدیا کہ عموماً آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑ کر سیاہ لباس اختیار کریں۔ اور آج سے دربار میں نہ آنے پاویں۔ مامون کو اس خاندان سے جو بے لاگ محبت تھی سیاست ملکی نے اس کو اس صورت میں بدل دیا۔ جس کی تاریخ ۲۸ ذوقعدہ سے شروع ہوتی ہے۔

ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ ہجری مقام مرو۔

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ واری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دیدی تاہم وہ اُس کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوئے جب مامون سے رخصت ہونے گیا۔ تو مامون نے ایک خاص غلام اُس کے ساتھ کر دیا جس کی نسبت طاہر کو یہ یقین دلایا کہ اُس کی کارگذاریوں کا صلہ ہے۔ مگر در پردہ غلام کو ہدایت کی تھی۔ کہ اگر طاہر کے خیالات۔ بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے۔ خراسان پہونچکر غالباً طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا مگر مورخین اس کا کوئی عملی ثبوت بجز اس کے نہیں پیش کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا کلثوم بن ثابت خراسان کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا۔ اُس نے گھر پر آکر غسل کیا۔ اور کفن پہنکر مامو

کو اِس واقعہ کی عرضی لکھی۔ اُس کو یہ یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اِس حال سے خبر ہو گی۔ اور وہ اُسکو زندہ نہ چھوڑے گا۔ مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ ابھی وقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہونچا کہ طاہر نے دفعتاً انتقال کیا۔ احمد کا جانا ملتوی رہ گیا۔ طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا۔ ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہے۔ زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعضوں کا بیان ہے کہ پلکوں میں کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتاً[1] گر پڑا اور مر گیا۔

مامون نے طاہر کے بعد اُس کے بیٹے طلحہ کو خراسان کی حکومت دی دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی معزز عہدے دلے۔ طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبداللہ بن طاہر و عبید اللہ بن عبداللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا۔ ہم کو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا۔ لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اِس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور باپ ہرون الرشید کی طرف نگاہ اُٹھائیں تو کیا ثابت ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں کہ اُسنے ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جس کی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا۔ لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اُس کا ضروری فرض تھا۔ تاہم اُس کے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اُس کی اولاد

---

[1] معنف عیون والحدائق۔ کامل۔ ابن خلدون۔ ابو الفدا۔ کسی نے نہیں لکھا کہ طاہر کیوں کر مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اِس بات سے بحث نہیں کرتے۔ صرف ابن خلکان ایک شخص ہے۔ جس نے اِس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور چونکہ اُس نے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہرارون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ میں نے اِس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اُسی سے لکھا ہے۔ دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ۔ طاہر ۱۲ منہ

کو اس رتبہ پر پہونچایا کہ کچھ زمانے کے بعد خراسان میں اُن کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اُس نے کہا کہ "خدا کا شکر ہے جس نے طاہر کو مجھ سے پہلے بلایا"۔ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اُس کو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصے میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کس قدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے اُس کی رائے اُن معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت

سنہ ۲۰۸ ہجری

افریقہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گذر چکے تھے مگر عہد فتح سے آج تک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں پہلے بھی اطاعت کا مادہ نہ تھا۔ اور قبائل عرب کے ملجانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے۔ اُن کی سرکشی اور بھی پرخطر اور تیز ہوگئی تھی۔ یہاں کا جو خراج تھا وہیں کے امن و انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بلکہ مصر کے خزانے سے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ منگانے پڑتے تھے۔

سنہ ۱۸۴ ہجری میں ہرون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی۔ اور پھر افریقہ کی گورنری اُس کے خاندان کا موروثی ترکہ ہوگیا چنانچہ مامون کے زمانہ میں جو شخص اس منصب پر ممتاز تھا۔ وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تھا۔ سنہ ۲۰۸ ہجری میں تونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی۔ جس کا بانی منصور بن نصیر تھا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تھا تین سو سوار دے کر بھیجا

کہ دفعتاً ٹونس پہونچکر منصور کو گرفتار کرلائے۔ لیکن محمد کے پہونچنے سے پہلے منصور کو خبر ہوگئی۔ اور وہ طنبذہ چلا گیا۔ محمد کو ٹونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اُس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ و پند کا فسوں پھونک کر منصور کو مسخر کرلائیں۔ مگر منصور اِن سادہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تھا۔ اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ "میں تو قدیم نمکخوار ہوں۔ آج کی رات آپ ماحضر قبول فرمائیں۔ کل میں خود آپ کے ہمرکاب چلونگا" منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کھانے اور فواکہ بھیجے اور لکھا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کرونگا۔ محمد اور اُس کی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اُڑائے۔ اور خوب شرابیں پئیں ہنوز خمار نہیں اُترا تھا۔ کہ دفعتاً طبل جنگ کی مہیب آواز نے اِن بدمستوں کو چونکا دیا۔ اُٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سرپر موجود تھا۔ محمد کی فوج نے بھی ہتھیار سنبھالنا چاہا۔ مگر اعضاء قابو میں نہ تھے۔ تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی۔ محمد کی فوج بالکل قتل ہوگئی۔ صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے ٹونس میں جو شاہی فوج تھی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اِس اندیشہ سے کہ آئندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہونگے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجئے۔ اسمعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹونس کا عامل تھا۔ یہ خواہش پوری کردی گئی۔ ٹونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روز افزوں ترقی کررہی تھی۔ اور اِس وجہ سے ضرور تھا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلیوں کو اِس مہم کے لئے انتخاب کیا۔ مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا۔ اُس میں غلیوں نے شکست کھائی اور فوج جو ساتھ تھی باغیانہ افریقہ کے مختلف شہروں میں پھیل گئی۔ غلیوں کو شکست دیکر منصور کے حوصلے بلند ہوگئے۔ اُس نے خود زیادۃ اللہ کی دارالحکومت قیروان کو جا گھیرا ۴۰ دن تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ مگر آخیر لڑائی میں جو ۱۵ جمادی الثانی

کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سروسامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت ہار دی۔ مقابلہ ہوا۔ لیکن نتیجہ جنگ وہی تھا۔ جو منصور کے خیال میں چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے زیادۃ اللہ نے اب اُن سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن علما و فقہا بیچ میں پڑے اور اسکو اس ارادے سے باز رکھا۔ تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کردی گئی۔

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا۔ مگر اُس کے سرداروں نے افریقہ کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے۔ اِن میں سے ایک شخص عامر بن نافع تھا جس نے سبیبہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ سنہ ۲۰۵ ہجری میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبد اللہ اپنے ایک عزیز کو اُس کے مقابلے پر بھیجا۔ ۱۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا۔ محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا۔ اس اثنا میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تھی۔ اُس کے اہل و عیال قیروان میں رہ گئے تھے اُس نے پھر قیروان کا محاصرہ کیا۔ ۱۰۰ دن محاصرہ رہا۔ اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اہل فوج کے عزیز و اقارب قیروان سے نکل آئے۔ اور اپنے عزیزوں سے آکر مل گئے منصور بھی ٹونس کو واپس چلا آیا۔ افریقہ کے اکثر اضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ خود شاہی فوج نے جو منصور کے ساتھ ہو گئی تھی۔ زیادۃ اللہ کو مغرورانہ پیغام کہلا بھیجا کہ "جو تدبیر تم کو جانبر کر سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقہ سے اور کہیں چلے جاؤ۔ اس سعاوت کے صلے میں ہم تمھاری جان سے کچھ تعرض نہ کرینگے"

چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ مگر سنہ ۲۱۱ ہجری میں عامر جو منصور کا دہنا ہاتھ تھا۔ خود منصور سے ناراض ہو گیا۔ اور بالآخر اُسکو قتل کرا دیا۔ یہ محسن کشی بھی کچھ زیادہ نہ پھلا۔ دو ہی تین برس کے بعد قضا کی۔ اور زیادۃ اللہ کے لئے افریقہ کی حکومت بے خلش چھوڑ گیا۔ زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کر دیا۔ اُس نے کچھ بیجا نہیں کہا کہ "اب لڑائی نے اپنے ہتھیار رکھدئے"

نصر بن شیث کا گرفتار ہونا ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ اور امین الرشید کا نہایت جان نثار دوست تھا۔ محاصرہ کے زمانہ میں تو امین کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی۔ اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خانہ بدوش بدو بھی اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے حلب و میساط وغیرہ پر قبضہ کر لیا حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اُس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ ایک سخت جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی۔ اور رقہ کو واپس گیا سنہ ۱۹۹ ہجری میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضہ اقتدار میں آ گئے۔ اور سنہ ۲۰۵ھ تک اُس کی بغاوت شاہی قوت کی حریف مقابل رہی سنہ ۲۰۶ ہجری میں جب طاہر رقعہ سے چلا آیا تھا تو اُس کا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا۔ لیکن چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ سنہ ۲۰۸ ہجری میں مامون نے محمد عامری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں۔ جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ میں دربار میں حاضر نہ ہوں گا۔ مامون نے اُس کے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد عامری واپس گیا۔ اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتاً جھلا اُٹھا اور کہا کہ چند مینڈکوں (قوم زط) پر جس کا زور نہ چل سکا۔ اُس کے آگے عرب کے ہزاروں جانباز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں [۱] لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا۔ عبداللہ بن طاہر نے اُسکو اتنا تنگ کیا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار رکھ دئے۔

ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری سنہ ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گو مدت سے روپوش ہو گیا تھا۔ لیکن

[۱] چونکہ قوم زط کی بغاوت کو مامون فرو نہ کر سکا تھا۔ نصر نے طعنہ دیا۔ ۱۲

اُس کے قدیم رفقا اب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تخت خلافت دلائیں۔ مامون کو اِس سازش کی بہت جلد اطلاع ہو گئی۔ اور صفر سنہ ۲۱۰ ہجری میں یہ سب گرفتار کر لئے گئے۔ ابن عائشہ و مالک اِس جماعت کے سرگروہ تھے۔ اِن لوگوں نے ایک بڑی فہرست طیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ "اور بہت سے لوگ اِس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں" لیکن مامون نے اِس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ "شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ باغی قید خانے بھیجدئے گئے مگر وہاں بھی سنبھلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دیئے اور چاہا کہ دیوار توڑ کر باہر نکل جائیں۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود جیلخانہ پہونچکر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا۔ ابن عائشہ ہاشمی تھا۔ اِس لئے یہ امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُس کو سولی دی گئی۔ لیکن اِس کے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا۔ کہ اب تک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اُٹھائی تھی۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ تھا۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ "مامون جب عراق پہونچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اُس نے میری گرفتاری کا اشتہار دیا۔ میں نے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں۔ گرمی کے دن تھے۔ اور ٹھیک دوپہر بجی تھی کہ میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاؤں ایک گلی میں پہونچا۔ لیکن اُس کی دوسری طرف راستہ نہ تھا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ الٹا پھر سکتا تھا۔ اِسی اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا جس کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا۔ میں نے بڑھ کر اُس سے التجا کی کہ "ذرا دیر کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو؟" اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ اور مجھ کو ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا۔ جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا۔ لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا۔ اور کواڑ بند کرتا گیا۔ میری تازہ امید پھر یاس سے بدل گئی کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے۔ میں اِسی پیچ و تاب میں تھا کہ اُسی نے کواڑ کھولے۔ اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا۔ میں نے

سلہ ابراہیم ربیع الاول سنہ ۲۱۰ھ میں گرفتار ہوا۔ ۱۲

مسرت آمیز تعجب سے دیکھا۔ کہ وہ گوشت۔ دیگچی۔ کورے۔ پیالے۔ اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے۔ اُس نے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کئے۔ اور کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی کہ "میں ذات کا حجام میری جرات نہیں کہ اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں۔ اس لئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں۔ اب حضور جو پسند فرمائیں"

میں نے خود کھانا طیار کیا۔ اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر اُس نے مجھ سے پوچھ کر شراب حاضر کی۔ اور کھڑے ہو کر کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے سے بیٹھ جاؤں۔ اور حضور کی تفریح خاطر کے لئے دور ہی سے دو شراب میں "شریک" ہوں" میں نے اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک سے اُٹھا لیا۔ اور دست بستہ کہا کہ "میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں۔ لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے" میں نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر معلوم کیا کہ میں اِس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اُس نے کہا "سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے۔

یہ سنکر میں حیرت زدہ ہو گیا۔ اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا ایک نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور نئے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدمست ہو گیا۔ مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا۔ اور اِس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اُٹھے۔ میں تمام خطرات کو یک لخت بھول گیا۔ اور فرمائش کی کہ کچھ اور گاؤ۔ اُس نے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے۔

۱؎ اِس قصے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں لکھا ہے۔ دیکھو مروج الذہب مسعودی خلافت مامون۔ ۱۲

تعیرنا انہ قلیل عدیدنا	فقلت لہا ان الکرام قلیل
وہ ہم کو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے	میں نے اُس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں
وانا لقوم ما نری القتل سبۃ	اذا ما راتہ عامر و سلول
عامر و سلول قتل ہونے کو عیب سمجھتے ہیں	لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے "

اِن پُر اثر شعروں نے میرے ہوش و حواس بالکل کھو دیئے۔ اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہکر دینا چاہا کہ "تو خدا حافظ۔ سر دست یہ حقیر پیشکش قبول کرو۔ خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدل گئی تو میں تمہارے احسانات کا کافی صلہ دے سکوں" غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا "افسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں نہایت حقیر مخلوق ہے مجکو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی۔ کیا میں اُسکو درہم و دینار کے عیوض بیچ سکتا ہوں۔ خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مکرر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زندگی کو قربان کردوں گا" میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا۔ اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں۔ لیکن اُس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ "میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن و آرام کے ساتھ رہ سکیں گے۔ کچھ دنوں اور صبر کیجئے۔ یہ فتنہ فرو ہوئے تو حضور کو اختیار ہے" میں چند روز اور اُس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیال سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہ سے گرانبار ہوا جاتا ہے۔ چپکے سے نکل کھڑا ہوا اور اخفائے حال کیلئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجکو پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا کہ "لینا مامون کا اشتہاری جانے نہ پائے" میں نے پوری قوت سے اُسکو پرے دھکیل دیا۔ وہ ایک گڈھے میں جا پڑا۔ اور بازار کے آدمی شور و غل سنکر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں فرصت پا کر بھاگتا ہوا اُس پار جا پہونچا۔ اور ایک عورت سے جو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ درخواست کی کہ میری جان بچالے۔ اُس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت اُسی سوار کی جورو نکلی جس نے میرا ارادہ فاش کرنا چاہا تھا۔ ذرا دیر کے بعد وہ بدبخت سوار آ پہونچا۔ مکان میں گھسنے کے

ساتھ اُس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور بیوی کو الگ لیجا کر ساری داستان سنائی تاہم اُس فیاض عورت نے مجھ کو آکر تسکین دی کہ "جب تک میں ہوں۔ آپ کو کچھ ضرر نہ پہونچے گا" میں تین دن تک اُس کا مہمان رہا۔ لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اسکو اطمینان نہ تھا۔ چوتھے دن مجھ سے کہا کہ "افسوس میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتی" مجبورانہ وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اِس اضطراب میں مجھکو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی۔ میں سیدھا اُس کے مکان پر گیا۔ مجھکو دیکھ کر باہر نکل آئی۔ اور روتی ہوئی آواز اور ریائی آنسوں سے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی پھر باہر چلی گئی۔ میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تحفہ وہ میرے لئے بازار سے لائی۔ وہ پولیس کے خونخوار سپاہی تھے۔ میں اُس وقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہئیت میں گرفتار ہو کے مامون کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ سامنے پہونچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ مامون نے کہا "خدا تیرا بُرا کرے" میں نے کہا "امیر المومنین ذرا ٹھہر جا۔ میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں۔ لیکن تقوے عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے۔ لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبہ سے فروتر ہیں۔ اگر تو مجھکو سزا دے تو تجھکو حق ہے۔ اور اگر بخشدے تو نوازش ہے"
پھر میں نے یہ اشعار پڑھے۔

ذنبی الیک عظیم ؛
میرا گناہ بڑا ہے ؛
وانت اعظم منہ
لیکن تو اُس سے بالا تر ہے

فخذ بحقک اولا
یا اپنا حق لے ؛
فاصفح بحلمک عنہ
یا اپنے حلم کی وجہ سے در گذر

ان لم اکن فی فعال
اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں
من الکرام فکنہ
تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پر تاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ لی۔ میں نے چند اور شعر دردناک لہجہ میں پڑھے۔ اُسکا دل بھر آیا

اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوا کہ "کیا رائے ہے" سب نے متفق اللفظ کہا "قتل" مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی اور کہا کہ تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اے امیر المومنین اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے[1] مامون نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا۔

قومی ھم قتلوا امیم اخی میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا	فاذا رمیتہم یصیبنی سہمی میں اگر ان پر تیر چلاؤں تو مجھ ہی کو لگیگا

میں نے دفعتاً چہرے سے نقاب اُلٹ دی اور چلا اُٹھا کہ "اللہ اکبر۔ خدا کی قسم امیر المومنین نے بخشدیا" مامون سجدہ میں گرا۔ اور دیر تک سر بسجدہ رہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ "چچا جان آپ جانتے ہیں۔ میں نے کیوں سجدہ کیا" میں نے عرض کیا کہ "شاید میری اطاعت پر" مامون نے کہا "نہیں بلکہ اِس بات پر کہ خدا نے مجکو عفو کی توفیق دی" مامون نے پھر میری ساری داستان سُنی۔ اور غلام۔ عورت۔ کنیز۔ کو طلب کرکے غلام کا ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا۔ عورت کو بھی انعام عطا کیا۔ لیکن کنیز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا۔ بلکہ اُلٹی سزا پائی۔[2]

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں سنہ ۲۱۰ ہجری

سنہ ۲۰۶ھ میں عبید اللہ سری مصر کا عامل مقرر ہوا تھا۔ اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خودسری کا خیال پیدا کر دیا طاہر کا نامور فرزند عبد اللہ اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اُس نے

[1] ابن واضح کاتب عباسی کی تاریخ میں اس فقرہ کو کسی قدر تغیر کے ساتھ مامون ہی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی شخص نے ابراہیم کی شفاعت نہیں کی۔

[2] دیکھو ثمار الاوراق بحاشیہ مستطرف صفحہ ۱۰۳ کامل ابن الاثیر۔ اغانی۔ ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲

ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر آگے روانہ کیا۔ کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر رکھے عبید اللہ سری نے یہ خبر پاکر دفعتاً سردار پر چھاپہ مارا لیکن اُس نے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبد اللہ کو جاکر خبر کرے۔ عبد اللہ عین وقت پر پہونچا۔ عبید اللہ ایسا نادان نہ تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا۔ سیدھا مصر کو واپس گیا۔ اور شہر پناہ کے دروازے بند کرا دئے۔ عبد اللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ بہت دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ عبید اللہ نے انجام کار پر غور کرکے سپر ڈالدی اور عبد اللہ کی خدمت میں ایک گرانبہا تحفہ جس کو رشوت کہنا زیادہ بجا ہے ارسال کیا۔ یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزار لونڈی غلام اور ہر ایک کے ہاتھ میں ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصداً رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبد اللہ نے صاف انکار کیا اور لکھ بھیجا کہ "اگر میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کر سکتا تو رات کو بھی مجکو انکار نہ ہوتا" خط کے آخیر میں قرآن مجید کی یہ پُر رعب آیتیں لکھیں "ارجع الیہم فلنا تینہم بجنود لا قبل لھم بھا

ترجمہ تو اُن کی طرف واپس جا۔ میں ایک ایسا لشکر لے کر اُن پر آتا ہوں جسکا وہ لوگ سامنا نہیں کر سکتے" اس غضبناک خط نے تلوار سے بڑھ کر کام دیا۔ عبید اللہ نے مجبور ہو کر امان طلب کی۔ مصر سے تو اطمینان ہوا۔ مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا۔ عبید اللہ کے زمانہ بغاوت میں اسپین سے دولت بنی اُمیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہو گئی۔ لیکن عبد اللہ کی آمد آمد نے اُس کے حواس کھو دئے اور امن کی طالب ہو کر اسکندریہ سے نکل گئی۔ اب یہ ممالک فتنہ و فساد سے یک لخت پاک ہو گئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

زریق کی بغاوت۔ اور سید بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ ہجری

زریق عربی النسل تھا۔ اور ۲۰۹ھ ہجری آرمینیا و آذربائیجاں کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ لیکن باغی ہو گیا۔ اور اپنی حکومت کے کل علاقے دبا لئے۔ سید بن انس جو موصل کا لفٹننٹ تھا۔ چند بار اُس سے معرکہ آرا ہوا۔ مگر فتح نہ حاصل کر سکا۔ ۲۱۱ھ ہجری میں زریق نے ایک فوج کثیر طیار کی

جو کم و بیش چالیس ہزار تھی۔ ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تھا۔ اور لاکھ درہم سالانہ فقط اِس بات سے پاتا تھا۔ کہ اُس نے سید کے قتل کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ قسم کھائی تھی۔ کہ جب سید کو دیکھ پائے گا۔ تنہا اُس کے قتل کی عزت حاصل کرے گا۔ اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ پر بھیجی تو یہ بہادر شخص بھی ساتھ گیا۔ سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ آور ہوتا تھا۔ اِس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تھی۔ مگر اُس نے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا۔ اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکھائے اور دونوں کے ایک ساتھ قتل ہونے نے یہ ثابت کر دیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے

مامون محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ محمد سنہ ۲۱۲ ہجری میں موصل پہونچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لئے جو ایک مدت سے موصل میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ سید بن اُنس کا فرزند محمد بھی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بیقرار تھا۔ اِس فوج کے ہمراہ گیا۔ زریق محمد کی آمد سنکر خود مقابلے کے لئے بڑھا اور مقام زاب پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا۔ مامون نے اِس فتح نمایاں کے صلے میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا مگر اُس نے زریق کی اولاد کو بلا کر سب واپس دے دیا اور کہا کہ "میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں" محمد نے آذربائیجان پہونچکر اُن تمام باغیوں کو بھی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بنکر ان اضلاع پر قابض تھے

بابک خرمی کی بغاوت

جاویداں ایک مجوسی تھا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا۔ اور نہایت شہرت حاصل کی اُس کے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعوےٰ کیا کہ "جاویداں کی روح میرے جسم میں آگئی ہے" تا سنہ ۲۰۱ ہجری میں اُس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور اسلامی سلطنت کے زوال درپے ہوا۔ سنہ ۲۰۴ ہجری میں عیسےٰ (گورنر آذربائیجان و آرمینیہ) اس کے مقابلے پر مامور ہوا۔ مگر شکست کھائی

سنہ ۲۰۹ ہجری میں احمد ابن کافی نے حملہ کیا۔ مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کر لیا۔ سنہ ۲۱۲ ہجری میں محمد جس نے زریق کی پُر زور بغاوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا۔ اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا۔ بابک کی مستقر حکومت تک پہنچ گیا۔

ہشاد سر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے۔ بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑھایا۔ قلب فوج پر ابو سعید اور میمنہ و میسرہ پر سعدی و عباس کو متعین کیا۔ خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تھی۔ محمد کی فوج قریباً تین فرسنگ تک اوپر چڑھتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آ گیا تھا۔ کہ دفعتاً اُس کے رسالے کمینگاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے اُدھر خود بابک بھی ایک جماعت کثیر لے کر بڑھا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آ گیا اور سخت ابتری پڑ گئی۔ ابو سعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی۔ محمد تنہا رہ گیا۔ اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑ گیا تھا۔ چاہا کہ کسی طرف نکل جائے اِس ارادے سے چند قدم چلا تھا۔ کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی۔ جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں۔ محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کر سکا اور اُلٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بھی اُسکے ساتھ تھا۔ دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر مارے گئے۔

مامون الرشید سنہ ۲۱۸ ہجری تک زندہ رہا مگر اُس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو نہ ہوا۔ معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اُس کے سرداروں نے متعدد پُر خطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

۱ بابک کا ظہور سنہ ۲۰۱ھ میں ہوا اور اِس لحاظ سے مناسب تھا کہ یہ عنوان "بابک کی بغاوت" اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکھا جاتا لیکن چونکہ اُس کی بغاوت کا سلسلہ ماموں کی وفات کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوا میں نے اس کو آخر ہی میں لکھنا مناسب خیال کیا۔ ۱۲

فتوحات ملکی[1]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں اُلجھا رہا تاہم اوس کے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا۔ صحابہ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید۔ منصور۔ مہدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے۔ بنو امیہ کے قبضہ میں صرف تلوار تھی۔ بخلاف اسکے دولت عباسیہ کے ایک ہاتھ میں قلم بھی تھا۔ اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع نہوں تو کچھ تعجب ہو سکتا ہے نہ ہم اُسپر کوئی الزام عاید کر سکتے ہیں۔

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کر دیا وہ اُن کی قلم کے فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ دونوں کو ہے۔ اور جس کی وجہ سے یورپ کی اُستادی کا مُردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔ ۱۹۷ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں۔ تاہم ممالک مشرقیہ میں اُس کی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والی کابل اسلام لایا اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل و قندھار دار الخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لیئے جائیں۔ اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات سے گزر گیا تھا۔ لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اُسکے عہد میں والی کابل اسلام لایا۔ قندھار، غزنین۔ وغیرہ سے بت پرستی قریبًا معدوم ہوگئی۔ اور یہ ممالک ہمیشہ کے لیئے عَلَم اسلام کے سایہ میں آگئے۔ سینکڑوں۔ ہزاروں مسجدیں تعمیر ہوگئیں۔ اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت و جبل گونج اُٹھے۔ سندھ ایک

[1] عموماً مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفاء کی فتوحات کی طرح مختلف سنون کے ذیل میں لکھا ہے جس کی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہو گئے ہیں۔ صرف علامہ ابن خلدون نے عموماً ہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ سمیٹ کر لکھا ہے اور میں نے اُسکی تقلید کی ہے ۱۲

مدت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا۔ منصور عباسی کے زمانہ میں اسکے عامل نے یہان
ایک شہر بھی آباد کرایا تھا جس کا نام **منصورہ** رکھا تھا۔ سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا
صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہان کا گورنر مقرر ہوا
اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی (فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵) فضل بن ماہان نے سندان
فتح کیا۔ اور ایک ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لیئے ایک نادر تحفہ خیال
کیا جاتا تھا۔ فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کیئے اور مید ہند پر چڑھائی کی۔
دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور قالی فتح ہوا افسوس ہی کہ ان مقامات کے
اصلی نام ہم معلوم نہ کر سکے۔ اسلیئے معرب نام پر اکتفا کی؛ اسی زمانہ میں ذوالریاستین کشمیر
وتبت کی طرف بڑھا۔ بوخان ور اور پر قبضہ کر لیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ نہ رہے۔ فاراب
شاغر۔ اطراز وغیرہ پر علم اسلام نصیب ہوا۔ جیغویہ خسرلجی (فرمانروائے ترک)
کی اولاد اور حرمین گرفتار ہوئین۔ اور فرغانہ پر سبز پھریرے[2] اڑائے گئے۔ اشروسنہ
جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاؤس وہاں کا فرمانروا اسلام لایا جس کی ابتدا اسطرح ہوئی
کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حیدر[3] ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اسکو قتل کرادیا۔ یہ افسر

---

[1] اردو کی بعض کم رتبہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد لڑائیوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتمد تاریخ میں اسکا ذکر نہیں ہے فتوح البلدان میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ فضل بن ماہان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اس نے سندان میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۴۴۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہان ہے اور اب کس نام سے پکارا جاتا ہے یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یاقوت نے اسکو سندھ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے۔
سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا شاید نری گڑھت ہے گو ایک ہند مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اسکا تذکرہ علانیہ کیا ہے ۱۲

[2] اسوقت تک مامون الرشید کی فوج کا لباس اور پھریرے فاطمیون کیطرح سبز رنگ کے ہوتے تھے ۱۲

[3] غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا ۱۲

معزز رتبہ کا آدمی تھا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اُس کی لڑکی سے کی تھی حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا۔ اور مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے۔ مامون نے احمد ابن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دے کر روانہ کیا۔ کاؤس نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے بیٹے کو ترک بادشاہوں کے پاس بھیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غارتگروں سے بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت اعظم ساتھ کر دی۔ مگر اسلامی فوجوں نے اُس کے پہونچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا۔ اور اسلام لایا جس کے صلے میں مامون نے اُس کی حکومت قائم رکھی[1]۔ تبت کے رئیسوں میں سے بھی ایک والی ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت کی پرستش کیا کرتا تھا جس کی ظاہری صورت سے ایک عجیب اوج و شان کا اظہار ہوتا تھا۔ سر پہ سونے کا تاج تھا۔ جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے۔ ایک تخت سیمیں جلوس کے لئے تھا اور اُس پر ہر وقت دیبا کا فرش بچھا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا تو بت اور تخت دونوں مامون کے پاس بھیجدیئے اور نامہ لکھا کہ "میں فلاں ابن فلاں حلقہ اسلام میں داخل ہوا اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تھا کعبہ پر نذر چڑھانے کے لئے بھیجتا ہوں"۔ نصیر بن ابراہیم عجمی سنہ ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لے کر مکہ معظمہ پہونچا۔ اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکھا جائے۔ تین دن تک ایک شخص صبح و شام دونوں وقت تخت پر کھڑا ہو کر باواز بلند کہتا تھا کہ "دو فرمانروائے تبت اسلام لایا اور یہ اس کے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامتہً مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ اُس کو اسلام کی توفیق دی"[2]

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۴ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے ۱۲۔

[2] یعنے یہ تمام حالات اُن فرامین سے اخذ کئے ہیں جو مامون نے اِس تخت و تاج کے کعبہ پر چڑھائے جانے کی نسبت لکھے تھے تاج کے ساتھ یہ فرامین بھی کعبہ پر آویزان کئے گئے، اور قریباً ۲۰۲ھ تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تھے۔ علامہ ارزقی نے ان فرامین کو خود دیکھا تھا اور تاریخ مکہ میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے (دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۷) ان فرامین میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بھی مجمل تذکرہ ہے۔ جیسا کہ میں نے اس موقع پر لکھا ہے افسوس ہے کہ اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کئے۔ فتوح البلدان میں صرف اس قدر کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل اسلام لایا۔ ۱۲

اسی سنہ میں عبداللہ بن خرداذبہ۔ گورنر طبرستان نے ویلم پر چڑہائی کی۔ بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کیے۔ والی ویلم جسکا نام ابولیلی تھا زندہ گرفتار ہوا۔ طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب ہوتا تھا۔ لیکن پہاڑی آبادیاں ابتک شہریار و مازیار کے قبضہ حکومت میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑھا۔ شہریار و مازیار دونوں نے اطاعت قبول کی۔ مازیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابودلف نے بھی ویلم کے چند مشہور قلعے شلاً اقلیم۔ بوج۔ ابلام۔ انداق۔ فتح کیے مامون نے یورپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں۔ جزیرہ کریٹ کو جو بحر الغرب میں واقع ہے اور جسکا دورہ ۲۶۰ میل سے کم نہیں ہے۔ ابوحفص اندلسی نے (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قلعہ پر قبضہ کیا۔ اور وہیں پر کچھ دنوں تک مقیم رہا۔ پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا۔ یہانتک کہ ۲۱۰ھ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا[1]

جزیرہ صقلیہ[2] (سسلی) کی فتح ۲۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے۔ ۲۱۲ھ میں میکل شہنشاہ روم نے جس کا نام

---

[1] دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۴۴ [2] اکثر عربی مورخون نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ گبن صاحب نے سچ لکھا کہ دو مسلمان مورخون نے جو پیٹہ اور مالن کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے مگر رومی مورخون نے اس سے چشم پوشی نہیں کی" عربی تاریخوں میں سے ہم نے اس فتح کا تذکرہ صرف فتوح البلدان میں دیکھا ہے اور یہ اجمالی حالات اسی سے نقل کیے ہیں ۱۲ ۲ سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخوں کے ہم نے گبن صاحب کی رومن امپایر سے بھی لیا ہے خصوصاً قیصر شاہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل صرف گبن صاحب کے حوالہ پر ہم نے لکھی ہے جزیرہ سسلی تقریباً دس ہزار میل مربع ہے سات ضلعوں پر منقسم ہے جنکے نام ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

جن شہرون کے نام ہمنے اصل کتاب میں لکھے ہیں وہ معرب نام ہیں ذیل کی تصریح سے اُن کے نام معلوم ہونگے

بلرم	سینا
قطانیہ	سرقوسہ
جرجنت	کلتانیتا
تیرمنی	

یہ جزیرہ جب مسلمانونکے ہاتھ میں آیا تو اسکی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے پھیل گئیں زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جب ابن حوقل جو بغداد کا مشہور تاجر تھا اس جزیرہ میں پہونچا تو خاص بلرمو میں ایک تیر کے فاصلے پر دس دس مسجدیں دیکھیں۔ (دیکھو معجم البلدان حالات صقلیہ) اور اب اس جزیرہ میں ایک شخص بھی محمد صلعم کے نام کا ادب کرنے والا نہیں ۱۲

عربی مورخ میخائیل لکھتے ہیں قسطنطین کو سسلی کا گورنر مقرر کیا تھا۔ قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی۔ فیمی ایک مشہور بہادر تھا اس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات نمایاں حاصل کیں لیکن اس جرم پر کہ ایک پارسا عورت کو عبادت گاہ سے بھگالایا شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اسکی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہوا اور علانیہ بغاوت ظاہر کی جزیرہ کے ایک مشہور شہر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا۔ قسطنطین نے سرقوسہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اور قطانیہ میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ فیمی نے قطانیہ پر چڑھائی کی قسطنطین گرفتار ہوا اور مار ڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہو گئی۔ سرقوسہ کو پایہ تخت قرار دیا۔ اور اضلاع پر عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے۔ دشمنوں میں سے کوئی شخص اس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بدقسمتی سے خود اس کا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا مخالف ہو گیا اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوسہ پر حملہ آور ہوا۔ فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہو کر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ "اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرو رکھ لے تو اس کے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں" زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۲ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے۔ فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے۔ سسلی پہونچکر اسلامی فوج نے جسکی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا۔ جس نے فیمی کو شکست دیکر سرقوسہ سے نکالدیا تھا۔ دونوں فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسری پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود تھا مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اس کو الگ کر دیا کہ "جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کی مستحق نہیں" جنگ کا خاتمہ بلاطہ کی شکست پر ہوا۔ اب اسد کی فتوحات کا کوئی سد راہ نہیں رہا جس طرف گذرا فتح و ظفر نے خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرے والے اکثر ہر طرف سے آکر وہاں جمع ہو گئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بن گیا تھا۔ اسد نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے فریب سے یہ ظاہر کیا "کہ ہم خود جزیرہ دینے پر راضی ہیں" ادہر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان

قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور اُن کی یہ شرط بھی منظور کر لی کہ اسلامی فوج قلعہ کی حد سے دور ٹھہرے گی۔ فرصت پا کر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہونچائے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا پیغام سُنا اور دفعتاً تمام جزیرے میں فوجیں پھیلا دیں۔ سرقوسہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ عین موقع پر افریقہ سے امدادی لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھریرا اُڑا یا جائے۔ لیکن بلاطہ کا بھائی میکل۔ ایک فوج کثیر کے ساتھ آپہونچا اور اسلامی فوج خود محاصرے میں آگئی۔ اسد نے حفاظت کے لیے خندق طیار کرائی اور اس سے کچھ فاصلے پر بہت سے گڑھے کھدوائے اور اُن پر گھانس پھونس بچھوادی میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڈھوں کو بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی۔ لیکن ۲۱۳ھ میں ایک عام وبا پھیلی۔ اور اسلامی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا سپہ سالار اسد بھی بیمار رہا اور مر گیا۔ رہی سہی فوج کی کمان محمد بن ابی الجواری نے لی۔ اسی اثنا میں قسطنطنیہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہونچا مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ افریقہ کو واپس چلے جائیں لیکن رومی فوجوں نے تمام راستے روک دیئے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا اُنھوں نے اپنے جہازات خود جلا دیئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرہ میں پھیل پڑے۔ مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا۔ جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہو گئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہوا۔ اس معرکہ میں فیمی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا قصریانہ والوں نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تخت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فیمی اس فریب میں آگیا اور آخر اُن کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی اثنا میں روم سے ایک بیشمار لشکر پہونچا اور قصریانہ والوں کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قصریانہ میں محصور رہی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام دونوں کو اعتدال سے زیادہ بڑھا دیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے

فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے جدہر موقع پایا لوٹ مار شروع کی۔ رومیون نے یہ دیکھ کر کہ اُن کی طاقت یکجائی نہیں رہی ہر طرف انپر حملے کیے اور پے در پے شکستیں دین ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم و بیش ہزار سوار و پیادے کام آئے۔ اب رومیون نے چارون طرف سے گھیر لیا۔ اور رسد تک بند کر دی۔ مسلمانون نے چاہا کہ شبخون مار کر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی۔ رومی پہلے خبر پا چکے تھے۔ اور اپنے خیمون کو چھوڑ کر ادہر اودہر پھیل گئے تھے۔ مسلمان انکے پڑاؤ تک پہونچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیون کے حصار میں تھے۔ مجبور ہو کر لڑنا پڑا۔ مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر مینا میں محصور ہوئے۔ لیکن اِس سختی سے دن گذرے کہ کتے بلی تک مار کر کھا گئے۔ اِس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے انکو مرنے سے بچا لیا اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیرون اور نو آبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے اتفاق سے ایک بیڑا جہازات ادہر آنکلا۔ ساتھ ہی افریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آگئے۔ ان سب جہازون کا شمار قریبًا تین سو تھا۔ رومیون نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش میں لبریز تھے شہر بلرم انکے حملون کا پہلا آماجگاہ ہوا۔ اور سنہ ۲۱۶ھ میں بالکل فتح کر لیا گیا۔ سنہ ۲۱۹ھ میں اور اُس کے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے۔ مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اِس سنہ سے پہلے ختم ہو گئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے۔

روم[1] پر حملے

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ ان میں مامون خود بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان لڑائیون میں اُس کی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے تو وہ

[1] یاد رکھنا چاہیے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشائے کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی یہی مقصود ہے جن شہروں کے نام ان فتوحات میں لیے گئے ہیں انکو ایشائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈھنا چاہیے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہوں گے تو اٹلی یا قسطنطنیہ کی خاک چھانتے پھریں گے کیونکہ اب روم کے لفظ سے یہی معنے مراد ہوتے ہیں ۱۲۔

مورخین کے قلم سے۔ صرف شاعر یا صاحب القلم کا لقلقت پاتا۔ لیکن ان فتوحات کی سند پر عام مورخین مان گئے ہیں کہ وہ تیغ و قلم دونون کا مالک تھا۔

جمادی الاولی ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ آور ہوا۔ روم کی سرحد کے قریب پہونچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لے کر آئے اور یہ شرطیں پیش کین۔

(۱) دارالخلافہ سے یہانتک آنے مین جو کچھ صرف ہوا ہے ہم ادا کرینگے

(۲) جس قدر مسلمان ہمارے ملک مین مدتون سے قید ہین بغیر کسی عوض کے سب رہا کر دئے جائینگے

(۳) اسلامی شہرون مین سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے ان کی مرمت کر دینگے۔ ان تینون شرطون مین جو پسند ہو ہم اُس پر راضی ہین جس کے عوض مین ہم صرف یہ چاہتے ہین کہ آپ دارالخلافت کو واپس جائیں۔" مامون نے دو رکعت نماز پڑہی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کون پہلو اختیار کرے۔ مگر اُسکی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں دو فتح سے کم قیمت ہین۔ اُس نے قاصدون کو بلا کر کہا "پہلی شرط کی نسبت مین حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہون کہ "تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو۔" دوسری شرط بھی بے سود ہے۔ کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہان قید ہین اگر وہ دین کے لیئے لڑنے گئے تھے تو قید ان کے لئے مایۂ فخر ہے۔ اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہین تیسری شرط بھی مین منظور نہیں کر سکتا۔ قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے ہائی محمدؐ کہکر پکارا ہوگا میں اُس کی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعہ کے عوض میں بھی نہین بیچ سکتا[1]

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود حکومت مین پہونچ گیا۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا اور ۲۶۔ جمادی الاولی کو فتح کے بعد برباد کر دیا۔ قلعہ ماجدۃ کے لوگون نے خود اطاعت قبول کی قلعہ سنان لڑکر فتح ہوا۔ اشناس اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بھیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بھی گرفتار کرکے ساتھ لایا۔ اسی طرح عجیف و جعفر نے جو مامون کے ممتاز افسرون مین تھے قلعہ سنادہ پر فتح کے پھریرے اُڑائے۔

مامون اتنی کامیابیون کے ساتھ دمشق کو واپس آیا۔ مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سنکر بادشاہ

[1] یہ زائد تفصیل صرف مروج الذہب مسعودی سے لی گئی ہے۔ ۱۲

روم نے طرطوس و مصیصہ پہونچکر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کرادیئے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑھائی کی خود ہرقلہ کا محاصرہ کیا اور عباس اپنے بیٹے اور ابو اسحٰق معتصم اپنے بھائی سے کہا کہ "تمہارے حوصلوں اور بہادری کے لیے۔ دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے فتوحات کے لیے جسقدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے" ابو اسحٰق نے کم و بیش تیس نامور قلعے فتح کیے۔ جن میں خرونلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تھا۔ اور بارہ قلعوں پر مشتمل تھا۔ ابو اسحٰق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کر دیا۔ اور آگ لگادی۔ عباس انطیغو۔ قلعہ احرب۔ قلعہ حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا۔ اور نہایت سخت پرخطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بے شمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

۲۱۵ھ میں بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی۔ مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکھا تھا۔ مامون غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پھر تازہ ہو گئے۔ بڑے سازوسامان سے روانہ ہوا۔ ممالک محروسہ میں فرامین بھیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمربستہ ہوں۔ اور روم کی طرف رُخ کریں۔

اس زمانہ میں روم کا سب سے نامی قلعہ لولوۃ تھا۔ جو ہرقلہ کی گذشتہ عظمت کا ہمسر گنا جاتا تھا مامون نے پہلے اسکا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملوں کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹ کر دو نئے قلعے طیار کیئے جائیں۔ غیر ملک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سروسامان رکھتی ہوگی۔ ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلۃ اور دوسرے پر ابو اسحٰق معتصم کو متعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی۔ خود ایک دوسرے قلعہ کی فتح کرنے کو بڑھا جس کا نام سلغوس تھا۔ عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلۃ و ابو اسحٰق اپنے قلعوں سے نکلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے۔ اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لیئے۔ لولوۃ والے یہ دیکھ کر کہ خود اُن کا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ٹھہر سکا ہمت ہار گئے۔ اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کر دیا کہ "ہمکو تمہارے صدقے میں امن ملجائے" مامون نے اُن کی درخواست قبول کی۔

اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔

حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا۔ ۲۱۸ھ میں مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک شہر بسایا جاوے۔

شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا۔ شہر سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر شہر پناہ تیار کی گئی جسمیں تعدد دروازہ چار تھے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا۔

فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جائے[۱] جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار سو درہم۔ پیادہ چالیس درہم ؀

مامون کی وفات ۱۸۔ رجب ۲۱۸ھ

اسوقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کئے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہوگیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پاکر عنان سلطنت اُس نے خاص اپنے ہاتھ میں لی۔ اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھاتا جو اسلاف کے گزشتہ نامورون نے کر دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اُسکی بہادری کی ابتدائی بازیگاہیں ہیں۔ تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب تک وہ انہیں اطراف میں موجود ہے۔ اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت کا بالکل استیصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن زمانے نے کس کی سب آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں۔ بہت سے پر فخر خیالات اُس کے دل میں پھر رہے ہیں مگر افسوس ہے کہ موت نے یہ پیغام سُنا کر سب کو مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے"۔

ایکدن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بذندون کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دل فریب سماں دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونوں ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے۔ اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے سعد قاری۔ مامون کا خاص قدیم

---

[۱] مامون کے فتوحات کو ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ ابن الاثیر سب نے کسیقدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میرا خاص ماخذ عیون والحدائق ہے جسکے بیان میں زیادہ تفصیل کیساتھ واقعات کا تسلسل اور حسن اتساق عموماً دوسروں سے بڑھا ہوا ہے ۱۲

بھی اس موقع پر موجود تھا۔ مامون نے اُسکی طرف مخاطب ہوکے کہا "کیون سعد۔ ایسا سرد اور صاف پانی تم نے کبھی دیکھا ہے" (سعد تھوڑا سا پانی پی کر) "حقیقت میں بے نظیر ہے" (مامون) "اِس پانی پر غذا کیا ہو" (سعد) حضور خود اِس سوال کا جواب عمدہ دے سکتے ہین" (مامون) "ازاذ کی کھجورین" یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ گھوڑون کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے۔ اِس حُسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی۔ کہ سرکاری کاغذات کے علاوہ مامون کی فرمایش بھی ڈاک کے ساتھ تھی۔ سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا سرد پانی نوش جان کیا۔ لیکن اٹھے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہونچکر ۱۳ جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا۔ اور اسی عارضہ مین انتقال کیا۔

مرنے سے چند روز پہلے جب زلیست سے بالکل مایوسی ہو گئی تو تمام ممالک مین فرامین روانہ کیے۔ جن کا یہ عنوان تھا "امیر المومنین۔ مامون اور اُسکے بھائی ابو اسحق کیطرف سے" شہزادہ عباس بھی اگرچہ اِس سفر میں ساتھ تھا اور اگر اُسکو ولیعہدی کا دعوی ہوتا تو ناموزون بھی نہ تھا لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب تھی اُسنے اپنے نامور فرزند کو چھوڑکر اپنے بھائی ابو اسحق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہرون الرشید [illegible] خلافت کے آیندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اِس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی۔ بلکہ یہ انتخاب اُس کے صائب الرائے ہونے کا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابو اسحق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے۔ اور اُسکے عظیم الشان کارنامون کے یاد دلانے کے لیئے صرف [illegible] کافی ہے۔ مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علما۔ قضاۃ۔ خاندان شاہی کو جمع کیا۔ اور نہایت مؤثر لفظون میں وصیت کی۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے "مجکو اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور بیم و امید دونوں مجھپر حاوی ہو رہے ہیں۔ لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہون تو امید کا پلہ گران ہو جاتا ہے جب مین مر جاؤں تو مجکو اچھی طرح سے غسل دو۔ اور وضو کراؤ کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد و ثنا پڑھ کے مجکو تابوت پر لٹاؤ اور تدفین میں جہانتک ممکن ہو جلدی کرو۔ جو شخص کبیر السن۔ اور

رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو۔ وہ نماز پڑہائے۔ نماز مین تکبیر پانچ بار کہی جائے۔ قبر مین وہ شخص اُتارے جو رشتہ مین قریب تر ہو۔ اور مجہہ سے بہت محبت رکھتا ہو۔ قبر میں میرا مُنہ قبلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤن پر سے کفن ہٹا دیا جائے۔ پھر قبر کو برابر کرکے لوگ چلے آئین۔ اور مجکو میرے اعمال کے ہاتھ مین چھوڑ دین۔ کیونکہ تم سب لوگ ملکر بھی نہ مجکو کچہ آرام پہونچا سکتے ہو۔ نہ مجہ سے کوئی تکلیف دفع کر سکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو۔ ورنہ چپ رہو۔ کیونکہ برا کہنے سے تمپر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجہپر کوئی شخص چلاکر نہ روئے۔ شاید میں بھی اُسکے ساتھ مواخذہ میں آؤن۔

تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت مین مرنا لکھدیا۔ اور بقا مین آپ یگانہ رہا۔ دیکھو مین کس اوج کا تاجدار تھا لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچہ زور نہ چل سکا۔ بلکہ حکومت نے میری آیندہ زندگی اور پُرخطر کر دی۔ اے کاش عبد اللہ (مامون کا اصلی نام ہے) نہ پیدا ہوتا۔ اے ابو اسحٰق۔ میرے سامنے آ۔ اور میرے حال سے عبرت پذیر ہو۔ خدا نے خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے۔ تجکو اُس کی طرح رہنا چاہیئے۔ جو مواخذۂ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے۔ اُس کو سب کامون پر مقدم رکھنا۔ زبردست۔ عاجزون کو ستانے نہ پائین ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے پیش آنا۔ جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔ اُن کی خطاؤن سے اغماض کرنا۔ اور سب کے روزینے۔ اور تنخواہین۔ برقرار رہین"۔ اُسکے بعد اُس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی تھین کہ غش سا آگیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمۂ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا۔ اس بات پر متعجب ہوا اور حقارت سے کہا۔ کہ اپنی ہدایت رہنے دو اسوقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی۔ دونون یکسان ہیں۔ مامون اس آواز سے دفعتًا چونک پڑا۔ اور اس قدر غضبناک ہوا کہ اُسکے تمام اعضا تھرانے لگے۔ چہرہ اور آنکھیں بالکل سُرخ ہوگئین۔ ہاتھ بڑھاکر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑلے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے۔ مگر اعضا ر قابو مین نہ تھے منہ سے کچہ کہنا چاہا۔ زبان نے یاری نہ دی۔ نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اُس کی زبان کھولدی

وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا اے وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی۔ اُس پر رحم کر۔ جس کی سلطنت زائل ہورہی ہے" اسی فقرہ پر۔ اُسکے نفس واپسین نے دنیا کو الوداع کہا۔ اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی ع کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے"

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

عباس اور ابو اسحٰق معتصم۔ اُس کا لاشہ طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان میں جو ہارون الرشید کا خادم خاص تھا۔ دفن کیا۔ مورخین اِس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا اُس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بُعد المشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

مامون کا حُلیہ

رنگ سپید۔ سرخی مایل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ ڈاڑھی لمبی مگر تپلی تھی پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تِل تھا۔ موزون اندام۔ اور خوش رو تھا۔

مامون کی اولاد ذکور

محمد اکبر۔ محمد اصغر۔ عباس۔ علی۔ حسن۔ اسمٰعیل۔ فضل۔ موسیٰ۔ ابراہیم۔ یعقوب۔ حسین۔ سلیمان۔ جعفر۔ اسحٰق۔ احمد۔ ہٰرون۔ عیسیٰ +

لہ نزع کے بعض حالات میں نے مروج الذہب مسعودی سے لیئے ہیں ۱۲

تمت

المامون کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخون سے ماخوذ ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ ان تمام تاریخون کا ایسا جامع انتخاب ہے جس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا تاہم وہ **مامون** کے عہد سلطنت کی یک رخی تصویر ہے۔ جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیون کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ پولٹیکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف **مامون** کے سوشل حالات کا خط وخال بھی اُس مین دکھائی نہیں دیتا۔ اسلیئے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخون کے نقش قدم کو چھوڑ کر ہم خود ذلیل راہ بنیں۔ اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائین۔ جس مین وہ مامون کو جس رنگ مین دیکھنا چاہیں دیکھ سکین۔ تمام خلفاء وسلاطین کی فہرست مین **مامون** جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ ادب۔ حدیث۔ فقہ۔ ایام العرب شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ جس فن کی بزم میں جاؤگے وہ صدر نشین نظر آئے گا۔ اُسکی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصون میں اپنی ناموراور محسوس یادگارین چھوڑی ہیں *

بہادری کے معرکوں میں اُسکی تیز دستیاں دیکھکر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہے۔ اُس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں۔ کہ سلاطین تو کیا۔ فقرا اور درویشوں میں بھی دو ہی چار ایسے فرشتہ خو گزرے ہوں گے۔ تواضع۔ حلم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریادلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔ فرزانگی۔ کوئی ایسی صفت نہین جو قدرت نے اُس سے دریغ رکھی ہو۔ اِن سب خوبیون کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار مین بعض ایسی بے اعتدالیان بھی اُس سے سرزد ہو گئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتًا اُس کی تمام خوبیان آنکھون سے چھپ جاتی ہیں۔ تاہم مجموعی حیثیت سے **اسلامی ہیروز** (نامور لوگ) ہیں وہ ایک نامور ہیرو ہے۔ اور ظلم ہے۔ اگر ایسے بے نظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار مین پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبون کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائین۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم ونسق کے متعلق ہماری واقفیت بھی محدود ہے۔ جس کا الزام ہماری قلت نظر پر یا اگر پاس ادب نہو تو قدیم مورخون پر ہوگا۔ جو آنے والی نسلون کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کر سکے۔ دوسری قسم کے حالات کے لیئے بھی گو مجکو ہزارون ورق الٹنے پڑے ہیں۔ لیکن جو سرمایہ جمع ہو گیا ہے۔ میں اُس کو بہرحال کافی خیال کرتا ہوں۔ اور قدما کا مشکور ہوں۔ کہ جو کچھ ہے انہین کا ہے ❖

اگرچہ یہ حضرات ریزہ چینی اور مختلف پریشان اور گمنام۔ موقعون سے پتہ لگانے کی محنت کچھ بھی میرے لیئے چھوڑ گئے۔

اِس حصہ کے آغاز پر **بغداد** کا پر اثر نام زیادہ موزون ہوگا جو ایک مدت تک نہ صرف عباسیون کا بلکہ عمومًا اسلامی جاہ و جلال کا مرکز رہا ہے۔

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا۔ اور اسی بنا پر بعض یورپین مورخون نے اُس کی نسبت۔ اِس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے۔ لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت۔ دونون حیثیت سے اُس کا دار الخلافہ بغداد کہا جا سکتا ہے

نہ خراسان۔ اسلئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا حال لکھتے ہیں۔

بغداد

بغداد[1] کی جس نے بنیاد ڈالی۔ وہ مامون الرشید کا پر دادا ابو جعفر منصور تھا۔ منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام۔ دونوں لحاظ سے اب ایک مستقل پائے تخت کی ضرورت تھی منصور نے کوفہ کے نواح میں ایک عارضی مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا۔ لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہل کوفہ کی مشہور بیوفائی نے کوفہ سے اُسکا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورہ کے بعد اُس نے وہ مختصر آبادی انتخاب کی جو کسی زمانے میں نوشیروان عادل کے انصاف سے منسوب تھی۔ اور اب مختصر ہو ہو کر بغداد[2] کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ اُسکے دونوں طرف چار (نہایت) آباد اور زرخیز صوبے تھے۔ **دجلہ** (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے۔ ہندوستان۔ بصرہ۔ واسط مغرب۔ شام مصر۔ آذربیجان۔ دیاربکر۔ وغیرہ کا مشترک تجارتگاہ ہو سکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل۔ اور قریبًا ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولٹیکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھا نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا۔ جہاں شاہانہ جاہ و حشم اور شخصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا۔ کہ **عرب** کی قوت و اثر سے بالکل فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان حیثیتوں میں اگر اور کوئی اسلامی شہر اُس کا ہمسر ہو سکتا تو صرف دمشق تھا۔ لیکن وہاں کی

---

[1] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرآت البلدان ناصری سے لکھا ہے کہیں کہیں دوسری کتابوں سے کچھ حالات اضافہ کیے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دیدئے گئے ہیں۔ ۱۲

[2] بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت۔ غالبًا زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اُسکے قریب نوشیروان کا ایک باغ تھا۔ جہاں بیٹھکر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داد یعنے انصاف کا باغ مشہور ہو گیا ۱۲

آب وہوا میں مروانی حکومت کا زہر آلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور گو بخالت کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا۔ لیکن نئی دارالخلافت کے شوق میں اُس کی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دیگر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی۔ اور فرامین بھیج کر۔ شام۔ موصل۔ کوہستان کوفہ۔ واسطہ۔ سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بلائے

۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اُس قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے ؛ چند ریاضی دان عالم معین کئے کہ عمارتیں اصول ہندسی کے لحاظ سے طیار ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب رح کو اس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کرنیکی نسبت منصور کے اصرار چند بار نہایت آزادی سے رو کر چکے تھے [1]۔ خشت شماری کا ذلیل کام دیا۔ جس کو امام صاحب نے قضا کے پُرخطر کام کے مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی۔ لیکن سطح خاک کے برابر آکر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے۔ منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا جس سے غالبًا یہ اشارہ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص وعام کو یکساں نسبت ہے۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے۔ اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ تھا۔ تعمیرات کے سلسلے میں۔ ایوان خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر الخلد۔ نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں۔ لیکن سبکا سرتاج قبۃ الخضرا۔ ایک سبز بلند گنبد تھا جس کا ارتفاع قریبًا ۸۰ گز سے کم نہ تھا۔ آبادی کے بعد بغداد کا نام مدینۃ السلام سے بدل دیا گیا۔ جو عام زبانوں پر گو محیط تھا لیکن وفاتر اور تصنیفات پر عمومًا حاکمانہ عزت و زور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا۔ حتے کہ ایک افسر پر اس حساب میں

---

[1] منصور نے امام ابوحنیفہ صاحب کو منصب قضا کے قبول کرنے کے لیے کہا۔ امام صاحب نے فرمایا "میں اس قابل نہیں" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹ کہتے ہو" امام صاحب نے فرمایا "تو میرا یہ دعوی سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے"

سے پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی[١]

یہ بغداد جسکا ذکر ہوا، منصور کا بغداد تھا۔ لیکن بہت جلد روز افزون ترقی کے ساتھ اُس کی اصلی ہیئت بھی بدل گئی۔ منصور کے جانشین **مہدی** نے دار الخلافہ کو دجلہ کی شرقی جانب بدل دیا۔ جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دجلہ بیچ میں آگیا۔ اور اُس کے قدرتی منظر میں ایک عجیب دلفریبی پیدا ہو گئی۔ یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں حاصل کرتا گیا قریبًا پانسو برس تک خلفار و اعیان سلطنت اور بڑے بڑے دولتمند امرا کے فیاضانہ بے روک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کئے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم **جعفر** برمکی نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کر دیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر (یعنے دو کرور درہم) اترا[٢]۔ رنگیں مزاج امین الرشید نے بھی دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں

ماموں الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی[٣]۔ اثار الدول میں لکھا ہے۔ کہ ایک زمانہ مین تیس ہزار مسجدین۔ اور اور دس ہزار حمام وہان موجود تھے۔ گبن صاحب لکھتے ہین کہ شہر بغداد میں اٹھ سو شاطبیون کو مطب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتون کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے۔ جس کے لیئے ناظرین کو ہمارے اس سلسلہ تصنیف کا منتظر رہنا چاہیئے جس کا نام عمارات الاسلام ہوگا لیکن **دار الشجرۃ** کے ذکر کے لیئے اس مختصر کتاب کو بھی گبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے۔ اس لیئے اجمالًا ہم اُس کا حال لکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب

[١] دیکھو نجوم زاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرۃ صفحہ ٣،٧٧۔ مصارف تعمیر میں مختلف روائتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کرور درہم کے پچاس لاکھ روپیہ ہوئے۔ ١٢

[٢] کامل ابن الاثیر۔ ذکر تباہی خاندان برمکہ۔ ١٢

[٣] دائرۃ المعارف۔ تذکرہ بغداد۔ ١٢

عمارت خلیفہ المقتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گنڈے تھے اور ہر گنڈے میں بہت سی شاخیں تھیں۔ ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا کے چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کے وردیاں پہنے۔ مرصع زرین تلواریں لگائے۔ اس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے۔[1]

بغداد میں خلفاء کا ملکی رعب و داب گو دو ہی صدیوں کے بعد جاتا رہا۔ لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی۔ آستانۂ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے۔ ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی۔ دیلم۔ و سلجوق کا سر جھک جاتا تھا۔ محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا پر فخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیارات تخت نشین تھا۔ ہزاروں شعرا۔ مجتہدین۔ اہل فن۔ دور و دراز ملکوں سے آکر وہیں پیوند خاک ہوگئے بغداد کے مقبروں نے جن اسلامی جواہر ولی کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے۔ زمانہ سیکڑوں برس کی مدت میں اون کو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسی کاظم۔ امام ابوحنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی۔ معروف کرخی۔ جن کو ہاتھ سے کھو دینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہے گا۔ یہیں کی قبرستانی آبادی میں سوئے ہیں۔

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو۔ تو۔ جب وہ کچھ نہیں رہا تھا۔ اس وقت بھی تیس بڑے بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے علامہ ابن جبیر ۵۸۰ھ ہجری میں جب وہاں پہنچے تو ایک ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلۂ عمارات دیکھکر

[1] دیکھو معجم البلدان۔ ذکر دار الشجرۃ و گبن صاحب کی رومن امپائر عہد عباسیہ ۱۲

ان کو دیکھو کا ہوتا تھا کہ وہ اب میں ایک مستقل آبادی میں موجود ہوں [1]

انوری نے ایک قصیدہ میں بغداد کی۔ خوشگوار آب و ہوا۔ دجلہ کی روانی کشتیوں کی سیر باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سمان دکھایا ہے۔ اُس کے چند شعر یہ ہیں۔ **اشعار**

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر	کہ کس نشان ندہد در جہان چنان کشور
سواد او بمثل چون سپہر مینا رنگ	ہوائے او بصفت چون نسیم جان پرور
کنار دجلہ ز ترکان سیمتن خلخ	میان رجبہ خوبان ماہ رخ کشمر
ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب	بران صفت کہ پراگندہ سپہر اختر
بشیہ باغ شود۔ آسمان بوقت غروب	بشکل خرچ شود بوستان بوقت سحر
بوقت شام ہمی این بآن سپارد گل	بگاہ بام ہمی آن باین دہد اختر
شگفتہ نرگس بویا۔ بطرف لالہ ستان	چنانکہ در قدح گوہرین مئے اصفر
نوائے طوطی و بلبل۔ خروس عکہ و سار	ہمی کنند خجل لحنہائے خنیاگر۔ ۔

وسعت سلطنت۔ خراج۔ بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج۔ عشر۔ زکوۃ۔ جزیہ۔ فوج کی تعداد۔ تنخواہیں۔ جنگی جہازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خط۔ اسپین کے سوا اُس کی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہ روم گو خود سر فرمانروا تھا۔ تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آج کل کے حساب سے

[1] سفرنامہ ابن جبیر۔ حالات بغداد۔ ۱۲

اکتیس[۲] کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا[۱]۔ مامون کی خلافت نے اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا چند مشہور اضلاع اور ہر ایک جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے طیار کیا گیا ہے۔ غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا

ضلع	خراج
سواد	دو کروڑ اٹھتر لاکھ درہم ۲۰۰ سو نجرانی حلے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے
؍؍	کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔
کسکر	ایک کرور سولہ لاکھ درہم۔
دجلہ کے اضلاع	دو کرور آٹھ درہم
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم
اہواز	پچیس ہزار درہم۔ اور تیس ہزار رطل شکر
فارس	دو کرور ستر لاکھ درہم۔ گلاب تیس ہزار بوتل زیب سیاہ بیس ہزار رطل
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل
مکران	چار لاکھ درہم
سندھ	ایک کرور پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان۔ فانید بیس رطل
خراسان	دو کرور اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان
	تیس ہزار رطل بلیلہ۔ دو ہزار نقرۂ چاندی
جرجان	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ۔

[۱] اس تعین میں میں نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے (۱) رشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار تھا دیکھو مقدمہ ابن خلدون۔ فصل دوم کی فصل ۱ (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار یا سو دینار کا ہوتا ہے۔ دیکھو معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۲۶ (۳) دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گبن صاحب وغیرہ نے تصریح کر دی ہے ۱۲

[۲] علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا اور اُسکے حوالے سے یہ تفصیل نقل کی ہے۔ دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۲۴۱ [۳] درہم ۴ آنہ ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی
رے	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل
طبرستان و رویان و دنہاوند	تریسٹھ لاکھ درہم۔ طبرستانی فرش چھ سو [۶۰۰]۔ چادریں دو سو [۲۰۰] کپڑے پانسو تھان۔ مندیل تین سو۔ جامات تین سو۔
ہمدان	ایک کرور تیرہ لاکھ درہم۔ رُبّ الرمان بیس ہزار رطل۔ شہد بارہ ہزار رطل
بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع	ایک کرور سات لاکھ درہم
ماسبدان و دینور	چالیس لاکھ درہم
شہرزور	سسٹھ لاکھ درہم
موصل	دو کرور چالیس لاکھ درہم۔ شہد سپید دو کرور رطل
آذربیجان	چالیس لاکھ درہم
جزیرہ مع اضلاع فرات	تین کرور چالیس لاکھ درہم۔ غلام ایک ہزار شہد بارہ ہزار مشک باز دس۔ چادریں بیس
آرمینیہ	ایک کرور تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیس۔ زقم[۱] پانسو تیس رطل
"	مسایح سورماہی دس ہزار رطل۔ صوبخ دس ہزار رطل۔ خچر دو سو
"	پچھیرے تیس
قنسرین	چار لاکھ دینار۔ زیت ہزار حمل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار
اردن	ستانوے ہزار دینار
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینا۔ زیت تین لاکھ رطل
مصر	انیس لاکھ بیس ہزار دینار۔

۱؎ زقم ایک قسم کا پھل ہوتا ہے ۱۲

صنلع	خراج
برقہ	دس لاکھ درہم۔
افریقہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش ایک سو بیں
یمن	تیس لاکھ ستر ہزار دینار۔ متاع یمنی اس کے علاوہ۔
حجاز	تیس لاکھ دینار

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا۔ جزیہ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اس سے الگ ہے ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی۔ اس کی چار قسم میں تھیں خراج عشر۔ جزیہ۔ زکوۃ۔

مامون نے خراج و زکوۃ و جزیہ کا جس کو آجکل کی زبان میں لگان و ٹکس کہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا۔ بلکہ اس سے پہلے عادل و فیاض جانشنیان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا وہی اس کے عہد میں بھی بحال رہا اس لیئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالین گے۔ اور ہم کو امید ہے۔ کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دین گے۔ ہان یہ ضرور ہے۔ کہ مذہبی بحثسے ہم کو سروکار نہ ہوگا۔ اور جو کچھ لکھین گے تاریخی پہلو سے لکھیں گے جس طرح یورپین مصنفین ہمشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کر سکتے۔ ہم ایسا نہ کرین گے خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور دو باقی۔ ایک قسم کے ٹکس ہیں۔ جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والون سے وصول کیئے جاتے تھے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اس کے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کو رہنما سمجھتے تھے۔ اور اسی سئے کافی وثوق کے ساتھ ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ مامون کے عہد کا قانون لگان و ٹکس بھی قریب قریب وہی ہوگا جو کسی زمانہ بیشتر میں تیار ہوا ہوگا لیکن ہم کو یہ صاف بتا دینا چاہیئے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح معنون میں مذہبی الفاظ نہیں ہین۔ اور اس لیئے ہم کو اس دہوکے مین نہ پڑنا چاہیئے کہ

فقہ کی کتابون میں ان کے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ لفظی یا خلفاء و سلاطین اسلام کے متفقہ اور مسلمہ عملی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا۔ اور اسی وجہ سے جیسا موقع ہوا۔ خراج۔ عشر۔ جزیہ سب کچھ وصول کیا گیا۔ لیکن یہ دعوے کرنا فضول ہے۔ کہ ان متعلق شارع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیے تھے۔ عام ملکی قوانین کی طرح یہ باتیں بھی ہر جانشین تخت نشین اسلام کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھین اور یہی وجہ تھی کہ خلفاء و سلاطین کے مختلف عہدون میں خاص خاص ملکی مصلحتین ان میں تبدیلیان پیدا کرتی رہیں۔ اب ہم عام طرح پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفاء کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں بھی قریب قریب اسی پر عمل درآمد رہا۔

(۱) جو زمین نہرون کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ یا

(۲) جو زمین فوج کو (جس نے اس حصہ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دی گئی ہو۔ یا

(۳) جس مقام کے باشندے فوجکشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہون۔ ان تینون حالتون میں وہ زمین عشری ہوگی۔ یعنی اس کی پیداوار سے صرف دسوان حصہ وصول کیا جائیگا۔ اور یہی اس کا خراج سمجھا جائے گا۔

ان تینون قسمون کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پرتی ڈالدے تو اس سے کچھ نہیں لیا جائیگا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پرتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا۔ جس زمین پر دکانیں بنالی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی[1] کو کوئی آفت پہونچے تو خراج معاف ہو جائے گا

مذکورہ بالا قسمون میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینین بہت کم تھیں۔ حضرت عمر رضہ کے عہد میں سواد عراق کی بالکل پیمایش ہو چکی تھی۔ اور مختلف شرحون کی جمع باندہ دی گئی تھی

[1] جامع صغیر کنز ۔ ۱۲

ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دیجائے لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر مائل نہ ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک نفتی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کیئے جاویں[1]

مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نکرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھہ زمین کاشت کی۔ تو آپ نے اُس کو پکڑ بلایا۔ اور نہایت سخت سزا دینی چاہی۔ لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[2]

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جنکو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے۔ قریب قریب یکسان متعلق ہیں۔ خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمد۔ و سفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اس لیئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو اُس سے بھی وہی عشر لیا جاویگا[3] حضرت عمرؓ نے قوم نبط سے عشر ہی لیا تھا۔ امام مالک گو اسبار میں کسی قدر ذمیون کے ساتھہ سختی کرتے ہیں۔ تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے اُن کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمد کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ نے سواد کے کل اضلاع کی پیمائش کرائی تھی۔ جو تین کروڑ ساٹھہ لاکھہ جریب ٹھرا اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ جلد دوم صفحہ ۱۲۸ - ۱۲

[2] حسن المحاضرۃ۔ جلد اوّل صفحہ ۹۲۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ

[3] فتوح البلدان صفحہ ۷۵، سطر ۹ و ۱۰

[4] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۳۲

نخلستان[۱]	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
انگور	”	”
نیشکر	”	۶ درہم
گیہون	”	ایک درہم و ایک صاع غلہ[۲]
جو	”	ایک درہم صاع
روئی	”	۵ درم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار (یعنی پانچ روپیہ) مقرر ہوا۔ اور عمرو بن العاص نے جو حضرت عمر رضہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ عہد لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاویگا[۳]۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں۔ اور خود حضرت عمر رضہ کے عہد مین اکثر اتفاقات اُن مین تبدیلیان ہوتی رہین۔

حضرت علی نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام اُن علاقون مین جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روئی۔ تل۔ مقاثی اور تمام قسم کی بقولات۔ اور ترکاریون کی زمین عموماً خراج سے معاف کردی۔

گیہون کی اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑہ درہم اور صاع غلہ
متوسط درجہ	”	ایک درہم
ادنےٰ درجہ	”	درہم کی دو تہائی

جو کی زمین پر اسی حساب سے گیہون کا نصف تھا[۴]

قریباً اسی شرح کا خراج تمام ممالک اسلامی مین جاری تھا۔ اور مسلمان و ذمی (یعنی دوسرے مذہب والے) دونون پر یکسان اثر رکھتا تھا۔ البتہ سواد کے علاقون مین مہدی عباسی نے لوگون کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کردی تھی۔ لیکن

---

[۱] اس باب مین فتوح البلدان و ہدایہ کی روائتیں مختلف ہیں۔ مین نے ہدایہ کی روایت لی ہے۔

[۲] صاع قریباً۔ پونے چار سیر کا ہوتا ہے ۱۲ [۳] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۸ مطبوعہ لیڈن۔ ہالنڈ ۱۲

[۴] دیکھو فتوح البلدان از صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱ - ۱۲

مامون الرشید نے سنہ ۲۰۴ھ میں یہ شرح گھٹا کر دو خمس کر دی[1]۔

خراج کا ہلکا ہونا کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اسلام کے جانشینون مین اب تک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تھا اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ ابتدائی زمانہ مین **عرب**۔ کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتھون سے دنیا کا مرقع اُلٹ پلٹ کر رہے تھے ریگستان سے اٹھکر گئے تھے۔ اور جو کچھ ملجاتا تھا اُن کی قانع طبیعت کے لئے کافی تھا۔ یہ وہ لوگ تھے۔ کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولتمند کافر سے صلح کر لی۔ اور لوگون نے اون سے کہا کہ وہ تم نے بہت سستا بیچا! تو اُنہون نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ کیا ہزار سے بھی کوئی زائد عدد ہے؟ اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تھا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کرے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات کی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ سیکڑون مثالین پاؤ گے۔ کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنی امیہ۔ اور عباسیہ نے کچھ اضافہ کیا۔ مگر اصل پیداوار کے لحاظ سے دیکھو تو وہ بھی کچھ نہ تھا۔

زکوۃ مسلمانون کے ساتھ خاص تھی۔ اور سونے۔ چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تھیں۔ حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹکس تھا۔ جسکو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تھا۔

ذمیون پر جزیہ تھا۔ گو وہ ایک نہایت خفیف رقم تھی اور زکوۃ کے مقابلہ مین تو گویا کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن تعجب ہے کہ دوسری قومون نے مسلمانون کو تعصب کا الزام دینے میں۔ ہمیشہ بڑے زور شور سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا ٹکس جس کے نام سے یورپین مصنف

[1] کامل ابن الاثیر۔ واقعات سنہ ۲۰۴ھ ۱۲ [2] جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال طبع ہوا ہے۔ اور سکرٹری مدرستہ العلوم کے پاس درخواست بھیجنے سے ملسکتا ہے۔ نیز آخر میں اس کتاب کے وہ بھی شامل ہے۔ ۱۲

کے دل میں مسلمانون کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعتہً جوش مارنے لگتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی ۱۲ روپیہ سالانہ تھا۔ اور یہ تعداد بڑے دولتمندون کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام درجہ کے لوگون پر تین روپیہ سالانہ تھا بشرطیکہ وہ ادا کرنے کے قابل ہون۔ لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا کہ اسکی شرح گھٹا دے۔ یا بالکل معاف کر دے۱۔ لڑکے بوڑھے۔ عورتین مفلوج۔۔ معطل العضو۔ نابینا۔ ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے۔

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا اور تعداد وہی بشرح سابق رہتی تھی۲ یعنی ایک دینار یا اس سے بھی کم۔ اس خفیف محصول کے عوض میں ذمیون کی جان ومال کی نہایت مستحکم ذمہ داری مسلمانون پر فرض ہو جاتی تھی۔

ان آمدنیون میں سے زکوۃ کی رقم جو صرف مسلمانون سے لیجاتی تھی۔ اسی لئے تھی کہ اس سے محتاج۔ اپاہج۔ نادار مسافر۔ اور اس طرح کے درماندہ لوگون کی اعانت کیجائے۔ زکوۃ میں یہ قید تھی۔ کہ خاص مسلمانون پر صرف ہو۔ لیکن اور کسی قسم کے صدقات میں جو مسلمانون سے لیئے جاتے تھے۔ کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیون کیلئے بیت المال کی اس رقم سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۳۔

اور ایک دوسرے موقع پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ وہ صدقات فقرا اور مساکین کے لیئے ہیں" مساکین سے عیسائی ویہودی مراد ہیں۴۔ باقی خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ پبلک کامون۔ یعنی۔ سڑک۔ پل۔ چوکیداری۔ تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے۔ فوج کا صرف بھی اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا۔

۱؎ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بر جوسہ اور اسکے قرب وجوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ ماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دئے گئے تھے۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹

۲؎ حضرت عثمان رضہ کے زمانہ میں۔ تفلیس والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۰۱

۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۲۹ ۴؎ ازالۃ الخفا۔ جلد دوم صفحہ ۷۳۔

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹکس یا محصول جو کچھ کہ بھی تھا۔ جسکا ذکر ہوا۔ انکم ٹکس۔ انڈا کرای ٹکس۔ چنگی۔ سٹرکانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری اشامپ کے نام سے اُس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام وحلیہ دفتر العسکر میں قلمبند تھا۔ اُس کی تعداد قریباً دولاکھ سوار وپیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ ۴۰ روپیہ اور پیادے کے دس روپے۔ جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھیں۔ لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ دارون کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں اور انعامات پر لگی رہتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی۔ یا اظہار کارگزاری کے وقت۔ اُن کو ملتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً مامون کی فیاضیون کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ عبداللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دیئے۔ ملکی عہدہ دارون میں بھی صرف وزیراعظم ذوالریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی یعنی بیس لاکھ درہم ماہوار۔ اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت باقاعدہ اور منضبط تھے۔ لیکن سپہ سالاری۔ فوج جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ صوبہ کا لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر۔ عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ بن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے مامون نے متعدد بار اُن کو فوج کی افسری دی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت سپہ گری مسلمانون کا عام جوہر تھا اور۔ اسی لئے کسی شخص کا اہل قلم ہونا۔ اُس کو صاحب العلم ہونے کے ناقابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج **متطوعہ** تھی جس کو والنیٹر کہنا چاہیئے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہوسکتی تھی۔ اور خصوصاً جہاد کی پر زور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو۔ سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتا تھا۔ اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے بروقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں جب خزانہ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلۂ ذیل تعداد کے ساز واسلحہ موجود تھے[1]

[1] دیکھو شمار الاوراق۔ برحاشیہ مستطرف۔ جلد اوّل صفحہ ۲۶۲۔

مطلا و مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار
	عام قسم کے زین	تیس ہزار	

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ ہونے کی تھی۔ اور اسی کے زمانہ میں حسان بن نعمان گورنر افریقہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی طیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا[1]۔ لیکن مامون کے عہد میں اُس کو بہت ترقی ہوئی۔ جزیرہ سسلی کی فتح کے لیے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کے جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کار خانہ سے طیار ہوئے تھے۔ آتش اندازی کے لیے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جنکو عربی میں حراقہ کہتے ہیں۔ ان سے روغن نفط (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے۔ جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بجھ نہیں سکتے تھے۔

ملک کی آبادی۔ امن و امان۔ مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف۔ غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی۔ اور وسعت کے فسانے جو روز ہم سنتے رہتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہے۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں۔ نئے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک قصبہ بلکہ ایک ایک گاؤں میں چشمے اور نہریں جاری تھیں جو حاکمان اضلاع۔ اور زمیندار و جاگیرداروں کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جنکی وجہ سے زراعت کو روز افزوں ترقی حاصل تھی

[1] مقدمہ ابن خلدون ذکر قیادۃ الاساطیل

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کرکے مناسب انتظامات جاری کیے۔ ۲۰۲ھ میں جب مرو سے عراق کو روانہ ہوا سرخس۔ طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ نہروان۔ رے۔ اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی۔ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط و آلاثار میں لکھا ہے۔ کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھہرتا گیا۔ مقام طا۔ النمل میں پہونچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا۔ اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سنکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اُس کا مہمان ہوا۔ اُس نے اپنی حیثیت کے موافق دعوت کا سامان کیا۔ اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی۔ جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس لئے ہم لوگوں میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے۔ میں نے جس قدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے۔ اُس سے بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس حکایت سے مامون کے حسن انتظام۔ اور ملک کی مرفہ الحالی دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملک کے ہر حصہ میں۔ معذور۔ محتاج۔ اپاہج۔ بیوہ۔ یتیم۔ سب کے روزینے مقرر تھے جو شاہی خزانہ سے وقت معین پر اُن کو ملا کرتے تھے۔ یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقر و فاقہ کا شاکی ہو اُس مقام کا حاکم۔ یا اسکو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کردے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اُس کا خمیازہ مدت تک کھینچنا پڑا تھا۔ اس لیے بغداد میں آکر اُس کا طرز حکومت بالکل بدل گیا۔ اب اُسکو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہوگیا کہ سنکر تعجب ہوتا ہے۔

ستره سو عجوزه عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں - اور شہر کا کچا چٹھا اُس کو پہنچاتی تھیں[۱] - لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اُن کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی - ہر صیغہ پر جدا گانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے[۲] - اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اُس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا - لیکن یہ عجیب بات ہے - کہ اِس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شخص سے بدگمان ہو جانا اور رعوام کی آزادی سے تعرض کرنا - مامون اُس سے بالکل بری تھا - اُس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اُس کی اِس کارروائی پر حرف آسکے - بخلاف اِس کے اِس محکمے نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں -

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ ،، واعمراہ یعنے ہائے عمرؓ تم کہاں ہو ،، مامون کو اطلاع ہوئی اُس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجکو یاد آیا - اُس نے کہا ہاں - مامون نے کہا - ،، خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا - پھر اُس کو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[۳] -

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاوے - مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں - اُس نے بڑھا کر تعداد بتائی - چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اُس کا جھوٹ نہ چل سکا - دوسری بار اُس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی ٹھیک ٹھیک بتادی - مامون نے اب عرضی پر لکھدیا کہ اُس کا روزینہ مقرر کر دیا جائے[۴] -

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص و عام کسی کے لئے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہونچکر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعوی ہوتا تھا -

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک

[۱] آثار الاول قرمانی - خلافت مامون [۲] ابن خلکان - ترجمہ فرار نحوی ۱۲

[۳] عیون والحدائق صفحہ ۳۷۹ [۴] رسالہ حکم و آداب صفحہ ۶۰

ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا وہ کس نے۔ اور وہ کہان ہے۔ اُس نے اشارہ سے بتایا کہ وہ آپ کے پہلو میں "مامون نے دیکھا تو خود اُس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لیجا کر کھڑا کر دے۔ اور دونون کے اظہار سنے۔ شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا کی آواز بیباکی کے ساتھ بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا نہیں جس طرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اُسکی زبان تیز کر دی ہے۔ اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ اخیر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس دلا دی گئی[1]۔

مامون کی آزاد پسندی نے اُس کے عمال کو بھی اصول انصاف مین نہایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔

ایک بار خود **مامون** پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعوی دائر کیا۔ جس کی جوابدہی کے لئے اسکو دار القضا میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لاکر بچھایا کہ خلیفہ اُس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہان آپ اور مدعی دونون برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ بُرا نہ مانا۔ بلکہ اُس کے صلہ مین قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کر دی[2]۔

مامون کی فیاض لایف پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے۔ تو یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس کا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ اُس نے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بدزبان شعرا اُس کی ہجوئیں لکھتے تھے۔ مگر خبر نہیں ہوتا تھا خود اُسکے خدام گستاخیان کرتے تھے۔ لیکن اُس کو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی **دعبل**[3] نے ایک ہجو میں اُس کی نسبت لکھا۔

شادو بذکرک بعد طول خمولہ	واستنقذوک من الحضیض الاوھد

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تھا شہرت دیدی۔ اور تجکو پستی سے نکال کر

[1] دیکھو واسطۃ السلوک فی احوال الملوک۔ وعقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۲ [2] مستطرف صفحہ ۱۱۰ جلد اول [3] اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور ہجوگوئی میں مشہور تھا ۱۲

بلندی پر بٹھا دیا؛" مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہ، دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آتی۔ میں گمنام کس دن تھا۔ پیدا ہوا تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اُسی کی چھاتیوں کا پیا[۱]۔

ایک بار مامون کا چچا **ابراہیم** شاکی ہوا کہ دعبل کی بدزبانیاں حد سے گذر گیئں میری ایسی بُری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھ اشعار بھی سنائے۔ مامون نے کہا "چچا جان۔ اُس نے میری ہجو۔ اس سے بھی بڑھ کر لکھی ہے۔ اور چونکہ میں نے درگذر کی۔ امید ہے کہ آپ بھی ایسا ہی کرینگے۔ دعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار نالان تھا۔ ابوسعید مخزومی نے چندبار۔ مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذر کہاں تک۔ مامون نے کہا "اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بھی اُس کی ہجو لکھدو" مگر صرف یہ لکھو کہ دعبل لوگوں کی ہجو میں جو کچھ کہتا ہے غلط کہتا ہے"۔

مامون اکثر کہا کرتا تھا کہ مجکو، عفو میں جو مزا آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفہ لیکر آئیں"۔

مختلف وقتوں میں وزراء۔ خاندان خلافت۔ حکام۔ عمال۔ کی شکایت میں داد خواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامون نے اُنپر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں۔ انمیں سے چند اس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتادینگے کہ کس کی نسبت تھی۔ لیکن جو احکام ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں۔ جن کا ترجمہ کردیا گیا ہے[۲]۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے بڑے کو دبا سکے اور چھوٹے سے خود دب جائے۔ تم کس میں ہو
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تیرا شاکی موجود ہوگا تجکو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی۔ و ابن خلکان ترجمہ دعبل ۱۲
[۲] ان توقیعات کو مصنف عقد الفرید نے توقیعات المامون کے ذیل میں بالفاظہا نقل کیا ہے ۱۲

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابو عباد کی نسبت	اے ابو عباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے
ابو عیسی کی نسبت جو مامون کا بھائی تھا	"فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم" یعنے جب نفخ صور ہوگا تو نسب جاتے رہیں گے
حمید طوسی کی نسبت	اے حمید۔ تقرب درگاہ پر نہ بھولنا۔ حق۔ میں۔ تو۔ اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں۔
بن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا۔ بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کرلیا۔ لیکن رعایا پر ظلم کرنا۔ تو نہیں برداشت کر سکتا ہوں۔
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر۔ ظلم تو اس کا ڈھا دینے والا ہے۔

اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے۔ کہ اس کے عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ بین نگاہ ڈالیں کیونکہ عام خیال۔ انصاف۔ اور بغاوت۔ کو ہمعہد نہیں فرض کر سکتا۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیوں سے مملو ہے۔ لیکن جو کچھ ہو اتفاقی واقعات کا نتیجہ تھا۔ ورنہ اس خصوص میں اس کا دامن انصاف ہر ایک قسم کے داغ سے پاک ہے۔

ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتوں یعنے عرب و ایرانی نسل سے مرکب تھا یہ وراثت اسکے دونوں بیٹے مامون و امین میں آکر منقسم ہو گئی۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا۔ اس کا وزیر بھی ایک نو مسلم مجوسی تھا۔ تقسیم کی رو سے ملک جو صوبے ملے وہ بالکل عجم کے حصے تھے۔ ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا۔ لیکن ذوالریاستین اسکا ندیم اور وزیر تھا۔ ثابت قدم رہا اور اپنے حسن تدبیر سے آخر کامیاب ہوا۔

مامون نے بے شبہ اس کے صلے اعتدال سے کچھ بڑھ کر مراعات کی اور اس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا۔ لیکن مامون کو اس وجہ سے

اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو سکے کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کر دئے تھے۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام ملک ہلا دیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہوسکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا۔ لیکن مامون نے حضرت امام **علی رضا** کو ولیعہد بنا کر یہ بات بھی کھو دی۔ مدت تک بغاوت کا سلسلہ قایم رہا۔ اور اس وجہ سے طول پکڑ تا گیا۔ کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کرسکتا تھا وہ یوں ہی نرم دل اور فیاض طبع تھا۔ اس پر شیعہ پن کے پرتو نے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ شخصی حکومتوں میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہم کو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرتے۔ اسکے ساتھ ہمکو یہ بھی خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اس وقت رعایا سے ہتھیار لے لینے کا کوئی قانون نہ تھا۔ اور اس وجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔

ان سب پر اتنا اور مستزاد کرنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کیئے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آجتک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے گی۔ شاید ایک معترض نہایت آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا۔ نہ ذوالریاستین اپنی خودسری سے باز آسکتا تھا۔ نہ اہل عرب اُسکے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا کہ بقائے خلافت۔ اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہوگیا تھا۔ مامون نے بے شبہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کر دیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہو۔ ہم مامون کو اُس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اسکا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ۔

ذوالریاستین کے قاتلوں کو اُس نے کیوں قتل کرادیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں۔

ایک بار مامون نے احمد بن داؤد سے مخاطب ہو کر ایک نہایت پولٹیکل تقریر کی تھی جس کا اس موقع پر نقل کرنا نہایت موزون ہے۔ اُس نے کہا کہ "بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گذرتا ہے۔ عوام ہرگز اُس کا انصاف نہیں کرسکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں۔ اُن کے بار سے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہوسکتی وہ بے تکلف رائے لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن اُن کو کیا معلوم ہے کہ اُس کے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز ہیں۔ اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے۔ نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کرسکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگزر کرسکتا ہے۔ مجبورانہ وہ کر گذرتا ہے۔ جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیئے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُسکو معذور نہ رکھیں گے لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کرسکتی"[1] شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قایم تھا لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے۔ اور اگر اُس کی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہوجاتا۔ بنوامیۃ۔ اور عباسیہ۔ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اُس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ[2] شخص کو ولیعہدی کے لیئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے بلکہ خاندان عباس اُن کے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ اُن کے انتخاب پر آل عباس دفعتہً برہم ہوگئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہوگئیں۔ تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اوسکو کرنا چاہیئے تھا۔

جب اونکو زہر دیدیا گیا۔ اور مامون کو پورا تجربہ ہوگیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبورانہ

[1] دیکھو رسالہ حکم و آداب صفحہ ۹۰۔ [2] حضرت علی رضا علیہ السلام مراد ہیں ۱۲

اُس نے بھی وہی کیا جو اُس کے اسلاف کرتے آئے تھے تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا۔
ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے۔ جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے۔ گو مامون کی اولاد خلافت کے ناقابل نہ تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اُس کا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فائق رکھتا تھا۔

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے۔ مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اُس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہود۔ مجوس۔ عیسائی۔ لا مذہب اُس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دار الخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے۔ جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب و ملت کے علماء و فضلا حاضر رہتے تھے۔ اور مامون اُن کے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آتا تھا۔ جبریل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اُس کی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبریل کی خدمت میں حاضر ہو۔[۱]
خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اس کا پرنسپل یعنے مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جس کا نام یشوع تھا۔ اُس کی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں۔ جس کی نظیر آج بھی کسی مہذب ملک میں نہیں ملسکتی
عبد المسیح بن اسحق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدے پر ممتاز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔

اُس ہاشمی نے عبد المسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ وہ اگر آپ مذہب اسلام قبول کریں تو خوب ہو۔ مجکو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے ابتک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں"۔ اس خط کے جواب میں عبد المسیح نے جو کچھ لکھا کوئی

[۱] دیکھو طبقات الاطباء ترجمہ جبریل بن بختیشوع ۱۲ [۲] انسائکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ ذکر مامون الرشید ۱۲

شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنی محمد مصطفےٰ اور قرآن مجید وصحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سنکر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے۔ بمقام لنڈن مطبع گلبرٹ اور رونگٹن۔ تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے۔ مین نے خود اسکو دیکھا اور ناظرین کو یقین دلاتا ہون کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھکر صرف یہ کہا کہ ”جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے۔ اور جو محض آخرت کے لیئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے۔ لیکن دین و دنیا دونون کے لیئے جو مذہب موزون ہے۔ وہ اسلام ہے“

ان باتون پر بھی مامون کی تاریخ کو ہم بیداغ نہیں کہہ سکتے ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر

خود افسوس ہے کہ اس پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے۔ اور وہ تاریخی تصنیفات میں بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کر جاتے ہیں۔ جنکی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین ایک طرف مسٹر پامر صاحب جنکی عربیت کا ہمکو بھی اعتراف ہے۔ اور جنکی نظم و نثر عربی و فارسی کا مجموعہ حال میں چھاپا گیا۔ تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ ”اُسکے بیہودہ درباریون نے یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی۔ بلکہ کل پیرو اسلام اسبات کو اس وقت میں اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جا سکتا“

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے محیط اور عام اتہام کی جراءت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی جس تاریخ پر انکو ناز ہے۔ وہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا۔ کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمندی کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی۔ تو جن لوگون نے ہزارون لاکھون چرچ اور گرجون کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھدیا وہ خلفاء راشدین تھے۔ جو ہر زمانہ میں مسلمانون کے رہنما سے کل مانے گئے ہیں کیا عمر بن عبدالعزیز جنہون نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ”ولید نے گرجے کو توڑکر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا۔ وہ ڈھا دیا جائے اور عیسائیون کو اجازت دیجائے کہ وہان پھر اپنا گرجا بنالیں“[1] ہمعصر شافی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھون کروڑون مسلمانون کے جائز قائم مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵

جہان مامون کے مذہب کا ذکر آئے گا ایک خاص مسئلہ میں اُس کا مذہبی جنون دیکھکر شاید ناظرین اُس کی تمام خوبیان دفعتًا بھول جائیں۔

ذوقِ علمی۔ رصدخانہ۔ زمین کی پیمایش۔ فنون فلسفیہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پرزور بغاوتیں۔ روم کی مہمات۔ بار انتظام۔ اتنے کام تھے۔ جو مامون کے روزانہ اوقات۔ اور دل و دماغ کو مصروف رکھتے تھے۔ تاہم اُسکے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اُسکو مبارکباد دی کہ آج عراق۔ حجاز۔ شام۔ مصر۔ سب آپکے زیر نگیں ہیں۔ اور رسول اللہ کے ابن عم ہونیکا شرف

دارالخلافت بغداد میں سیکڑوں ہزاروں عالیشان سے گرجے نہیں تعمیر ہوئے۔ جہان نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کیجاتی تھیں۔ ہم پادر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہ ہو تو۔ دیر الروم۔ دیر اشمونی۔ دیر الثعالب۔ دیر درثا۔ درمدالس۔ دیر سمالو۔ دیر فداری۔ دیر العارصیہ۔ دیر الزبقیہ۔ دیر الزندرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھیں[1]۔ عضد الدولہ دیلمی کہ دیلمی خاندان کا سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اُسکا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا۔ اسی نے عضد الدولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی مین چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[2]

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہونچاتے تھے لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں۔ اور اُن سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلیمان گورنر مصر نے۔ مصر کے تمام گرجے ڈھا دئیے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسٰی بن موسٰی نے جو خاندان عباسی سے تھا اور ۱۷۱ھ مین مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ خاص سرکاری خزانہ سے

[1] بغداد میں عیسائیون کے اور بہت سے گرجے تھے لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجون کے نام لکھے ہیں بعض گرجے خاص خاص تیوہارون کے لیئے مخصوص تھے جہان اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے ۱۲ [2] دیکھو روضۃ الصفا و حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولہ ۱۲

اِن سب پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا "ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہو اور ہے کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی" الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کر چکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا۔ اور دن رات اِسی تذکرے میں بسر کرتا تھا۔ اُس کے علمی ذوق کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ اُس کی آستینوں پر اُقلیدس کے مقالہ اولی کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ شکل اُس کو نہایت مرغوب تھی۔ اِسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل مامونی کہتے ہیں۔ غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اُس کے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو۔

ہرون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمتہ موجود تھا جس میں پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو مترجمین نوکر تھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے۔ لیکن

(بقیہ صفحہ ۱۲۰) کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرا ئے۔"

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں۔ کون گورنمنٹ اُس سے بڑھکر دے سکتی ہے تاریخ ابن خلکان۔ دفوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ آغاز اسلام سے عبدالملک بن مروان کی سلطنت تک شام و عراق کا دفتر رومی و فارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خرج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ و سپید کی مالک تھیں۔ اکبر و جہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے۔ عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملیگی۔ سینکڑوں عیسائی و یہودی علما جو عباسیوں کے دربار میں تھے اُن سے خلفا کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے۔ جبریل جو ایک عیسائی فاضل تھا۔ اُسکو ہرون الرشید نے علاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا۔ اُسکو پہلے جبریل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اُس کا بیٹا بختیشوع جاہ و منزلت کے اس پایہ تک پہونچا کہ لباس و آرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ معتصم باللہ حکیم سلویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا۔ اور جب اُس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اسکا جنازہ

سلہ دیکھو نجوم ظاہرۃ فی تاریخ مصر و القاہرۃ واقعات ۲۱۸ ہجری

سلہ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ میں جبریل اور بختیشوع کے حالات پڑھو۔

اب تک جو سرمایہ جمع ہوا تھا وہ ماموں کے شوق علمی کے لیے کافی نہ تھا۔

ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے۔ ماموں نے نزدیک جاکر پوچھا "آپ کا اسم مبارک" تخت نشین نے کہا "ارسطو" ماموں پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ پھر عرض کیا کہ "حضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے۔ خیالی ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچھا کہے" دوبارہ ماموں نے درخواست کی کہ مجھکو کوئی نصیحت ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ "توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دینا"[1]

[1] اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حنین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے۔ میں نے جو روایت لکھی وہ نامہ دانشوران ناصری سے لکھی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) دار الخلافۃ میں لاکر رکھا جاوے اور اُس کے عزیز خورد شمع کیساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اُس پر نماز پڑھیں خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرا اور امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا۔ بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ باغ میں ہاتھ ڈالکر ٹہل رہے تھے۔ یکدفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈرگیا۔ معتضد نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں نے یہ گستاخی پسند نکی اہل علم کا ہاتھ اوپر چاہیے" ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم و فنون سیکھے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہونچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے اُن کو علوم و فنون کی تعلیم دے کر شاگردی کا حق ادا کیا۔ اُن کا باہمی اخلاص اور آپس کی دوستانہ گرمجوشیاں آج بھی تعجب کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ علامہ شریف ارضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوا اور مذہبی ہیں۔ ابو اسحق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اُس کا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا تو اس سے زیادہ درد انگیز اور پُر اثر نہ لکھ سکتا۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابو اسحاق صابی کے مزار کی طرف گذرتے تھے تو ہمیشہ اُس کی تعظیم کے لیے سواری سے اُتر پڑتے تھے اور اُس کی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گذرتے تھے۔[2]

ہمکو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر لکھا۔ تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے ناظرین معاف فرمائیں۔ لیکن یہ خیال رکھیں کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف یامر صاحب نہیں ہیں۔ یورپ میں ان کے اور بھی بہت ہم زبان ہیں۔ اور اسی خیال سے ہم نے اس بحث کو ذرا طول دیدیا۔

[2] دیکھو نامہ دانشوران ناصری۔ تذکرہ ابو اسحق صابی۔ نامہ دانشوران میں اس مرثئے کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ۱۲

مامون یوں ہی فلسفہ پر مٹا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا۔ اُس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ "ارسطو کی جسقدر تصانیف مل سکیں۔ دار الخلافۃ کو روانہ کی جائیں" یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط۔ قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا۔ مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا۔ بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانے سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اُسکے بعد تخت نشین ہوئے۔ قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ قسطنطین نے فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اِس مکان میں بند کرا دی تھیں کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اُٹھانے پڑینگے۔

راہب کی ہدایت پر یہ پر خطر خزانہ کھلوا گیا۔ تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں۔ لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہباً ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے متفق اللفظ عرض کیا کہ "کچھ مضائقہ نہیں۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو اُن کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا" قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لاد کر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمے پر **یعقوب** بن اسحق کندی کو مامور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عموماً بے نظیر مانا جاتا تھا۔ مامون نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنا بن البطریق۔ سلما۔ کو جو بیت الحکمۃ کے مہتمم اور افسر تھے۔ اِس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام۔ سیپرس۔ اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جس قدر صرف سے اور جس طرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہونچائیں۔ اسی زمانہ میں **قسطا بن لوقا** ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا۔ اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہونچائیں۔ مامون کو اُس کا حال معلوم ہوا۔ تو بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دی[1]۔

---

[1] یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں لکھ چکے ہیں اور اُسکو کسی قدر تغیر کے ساتھ یہاں نقل کر دیا ہے۔ ۱۲

مامون کی التفات اور توجہ دیکھ کر تمام دربار میں یہ جوش پھیل گیا۔ محمد و احمد و حسن نے جو مامون کے خاص ندیم۔ اور مہندسہ۔ جیل۔ موسیقی۔ میں استاد وقت مشہور تھے روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگوائیں۔ دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنے کے لئے نوکر رکھا جبریل بن بختیشوع المتوفی سنہ ۲۱۵ ہجری جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا۔ اُس نے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

ہارونی و مامونی۔ فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اُس کو ایک مستقل والی ملک بنا دیا تھا[1]

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی۔ فارسی۔ کالڈی۔ قبطی۔ شامی۔ زبانوں کی تھیں۔

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا چونکہ مامون کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے۔ اسی مذاق کے تحف و ہدایا بھیجتے تھے۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے

---

[1] علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے۔ جو جبریل کے مرنے کے بعد اُس کے کاغذات میں پایا گیا تھا۔ ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مدات لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ خاندان عباس نے کس بے نظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے۔ اور یہ کہ اُن کی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں۔

تفصیل آمدنی:۔ عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار لباس کے لئے پچاس ہزار درہم ماہوار۔ خوراک کے لئے پانچ ہزار درہم ماہوار۔ روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم۔ فطر کے دن پچاس ہزار درہم۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم۔ دوا پلانے کے لئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روپے مقرر تھے اُن کی یہ تفصیل ہے۔

زبیدہ خاتون۔ پچاس ہزار درہم سال۔ عباسیہ پچاس ہزار درہم۔ فاطمہ ستر ہزار درہم۔ عیسےٰ بن جعفر پچاس ہزار درہم۔ ابراہیم بن عثمان۔ تیس ہزار درہم یحییٰ بن خالد برمکی۔ چھ لاکھ درہم سال۔ جعفر برمکی۔ بارہ لاکھ درہم فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم فضل بن الربیع پچاس ہزار درہم۔ ۱۲

مشہور حکیم دوبان کو اُس کی خدمت میں بھیجا۔ اور خط میں لکھا کہ "جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ دنیا میں اُس سے بڑھ کر مفید۔ اور نادر اور معزز تحفہ نہیں ہو سکتا"۔ اِس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کسرےٰ میں ایک صندوق مدفون ہے۔ جس میں نوشیرواں کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے۔ مامون سے کہکر اُس نے صندوق منگوایا کھولا گیا تو دیبا کے ٹکڑے میں لپٹا ہوا۔ قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا۔ مامون نے اُس کا ترجمہ سُنا تو نہایت متاثر ہوا۔ اور فضل بن سہل سے مخاطب ہو کر کہا کہ "خدا کی قسم کلام اسکو کہتے ہیں۔ وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں"[1]

حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ ابو حسان۔ سلما۔ حنین بن اسحاق۔ سہل بن ہارون۔ ابو جعفر یحییٰ ابن عدی۔ محمد بن موسےٰ خوارزمی۔ حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر علی ابن العباس بن احمد جوہری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر۔ یحییٰ بن ابی المنصور۔ مامون کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتم تھے۔ اِن مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا۔ اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان۔ اٹلی۔ وسسلی۔ و اسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعے سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز باز گشت آجتک آرہی ہے۔

لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے مامون کے سوا اور عباسی خلفا مثل ہارون الرشید و امین و معتصم وغیرہ علوم فلسفیہ سے محض ناواقف یا برائے نام واقف تھے۔ اور اسوجہ سے اُن کے اہتمام و توجہ کا اثر وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو ایک ماہر فن کا ہو سکتا تھا۔ اِس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی رتبہ شناسی سے مامون

[1] وسطۃ السلوک۔ مطبوعہ ٹونس۔ صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۶۔

عہد کے مترجم زباں داں ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اُس کے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پایہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حسان نے لکھا ہے کہ "اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفہ کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا وہ طب۔ حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع اعداد۔ نجوم۔ کا بہت بڑا ماہر تھا۔"[1]

اِن علوم میں اُس کی مستقل تصنیفیں موجود ہیں۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں اُس کی تصنیفوں کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے۔ جس میں دو سو باسٹھ کتابوں اور رسالوں کے نام ہیں۔ اُن میں سے بعض میں اُس نے یونانی حکما کی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بُعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بعد معلوم ہو سکے۔ اِس قسم کے اور جدید آلات پر اُس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفیہ کے ترجمہ میں اِس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم۔ فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گذرے "یعقوب کندی حنین بن اسحق۔ ثابت بن قرۃ۔ عمرو بن الفرخان الطبری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں۔ اور اِسی وجہ سے اُس کے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یعقوب کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں اور جب تک حکیم ابونصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شایع ہوئیں انکا رواج تمام ممالک فارس خراسان وعراق میں قائم رہا۔ یعقوب کے شاگردوں میں سے۔ حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو علمی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا۔ اُس نے اکثر ارسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے۔ کئے اور شرحیں لکھیں۔

ماموں کے دربار کا دوسرا مترجم حنین[2] بن اسحق جسکا نشو ونما۔ ماموں ہی کے عہد میں ہوا

---

[1] دیکھو طبقات الاطباء حالات یعقوب کندی۔ میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے۔ اسی معتبر کتاب سے لکھا ہے۔ جو اپنے باب میں ایک بے نظیر تصنیف ہے۔ [2] حنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطباء میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔ ۱۲

ترجمہ کا مامور ہوا ہے۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی جو لغات عرب کا پہلا مدون اور فن عروض کا موجد ہے۔ یونانی زبان بلاد روم میں جاکر سیکھی۔ اول اس نے جبریل بختیشوع کی خدمت میں رسائی حاصل کی رفتہ رفتہ دربار خلافت میں پہونچا۔ مامون نے اُس کو ترجمے کے کام پر مامور کیا اور زر و مال سے مالامال کر دیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی۔ مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو سنہ ۶۴۳ ہجری میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اُس کے کاتب ازرق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اور جن پر مامون الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا۔ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ "یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں۔ کاغذ بھی نہایت گندہ تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اسکو چاندی ملتی تھی" علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس قدر گندہ اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آجتک یہ کتابیں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں
علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں کے نام اور اُن کے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں۔ حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہونچائیں۔ اور اُن کے ترجمے کئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ۔ اور تمام ممالک شام میں پھرا۔ لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا" جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے مثلاً۔ الطاث۔ ابن کی۔ بطریق۔ ابوسعید عثمان دمشقی۔ موسےٰ بن خالد۔ لیکن حنین کے ترجموں سے اُن کو کچھ نسبت نہیں ہے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے موسےٰ بن خالد کے ترجمے خود دیکھے اُن کا بیان ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا طبقات الاطباء میں اس کی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے

جس کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

حنین کا نامور فرزند اسحق اور اُس کا بھانجا حبیش۔ ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی۔ ارسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحق نے ترجمہ کیں۔

قسطا بن لوقا بعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ "وہ طب۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی۔ میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا"۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ "اُس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی تھی اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطبا میں اُسکی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

غرض مامون کے عہد میں جس قدر کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ اور اُن پر جو شروح و حواشی لکھے گئے۔ اُن کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے۔

مامون جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا۔ اُس کے شوق تحصیل کو اور ترقی ہوتی گئی۔ اور زیادہ تر تحقیق و تجربے پر مائل ہوا۔

جبر و مقابلہ

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی۔ وہ اسی عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی فرمائش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اُس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے۔

۱؎ تعجب ہے کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف مامون الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ علم حکمت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "یونان کی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اور جو ترجمہ ہوئیں اُن میں اکثر غلطیاں رہ گئیں"۔

میں اس موقع پر صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکماء۔ و طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ غور سے پڑھنا چاہئے تھا۔ میں کئی سو تصنیفات کے ترجموں کا نشان دے سکتا ہوں ۱۲۔

یونانی کتب حکمت میں اُس نے پڑھا تھا کہ کرۂ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اُس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اُس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے۔ حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت دان ماہرین فن ہیں۔ اُن کو ساتھ لیں۔ اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرۂ زمین کی پیمایش کریں سنجار کا مسطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھہر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑ دی اور ایک لمبی رسی اُس میں باندھ کر ٹھیک شمال کی سمت سے چلے۔ رسی جہاں ختم ہو گئی۔ وہاں ایک دوسری کھونٹی گاڑ دی اور اُس میں ایک رسی باندھ کر پھر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھہر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا۔ اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی۔ اُسکی مساحت کی تو ۶۶ میل اور دو ثلث میل ٹھہری۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے۔ پھر اُسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اُسی طرح رسیاں باندھتے گئے۔ یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے۔ اب اس طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھہری تھی۔ اُسکو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجہ اسی قدر قرار دیے گئے ہیں۔ اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھہرا۔[1]

دولت اسلامیہ میں اول جس نے رصدخانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے۔ اس کام کے لئے اُس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے۔ اور سنہ ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصدخانہ قائم کیا۔ جس کے مہتمم یحییٰ ابن ابی المنصور ابن المنجم، خالد بن عبدالملک مروروذی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری، اور چند ان جیسے اور علما تھے۔ نہایت بیش بہا آلات رصدیہ طیار ہوئے۔ اور آفتاب کے میل کا مقدار اسکے

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن موسے۔ ۱۲

مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع۔ اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے[1]۔

مامون کے زمانہ تک جس زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابوجعفر محمد بن موسےٰ خوارزمی نے جو زیچ ترتیب دی۔ اُس کی شہرت مقبول نے اوروں کا نام مٹا دیا۔ یہ زیچ دنیا کی تمام مستند زیچوں سے ماخوذ تھی۔ اوساط ہندوستان کی زیچ کے مطابق رکھے تھے۔ تعدیلیں فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں۔ اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی۔ اُس کے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق خود پسند ایجادیں کی تھیں[2]۔

مامون کے ایک دوسرے منجم حبش حاسب مروزی نے بھی تین زیچیں طیار کیں مگر ان میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی[3]۔

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروا ے وقت اُس کا قدر دان ہو۔ لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

اُس وقت تک مسلمانوں میں عزم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا۔ اور ہر شخص کا دل جوش اور اُمنگ سے لبریز تھا۔ یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رُخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اوٹھا نہیں رکھتی تھیں اُس کے ساتھ مامون کی پایہ شناسی نے فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دئے اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا۔ اور اُس کے دربار میں فروغ پانا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہو گیا۔

سنہ۲۱۵ھ میں جب وہ بغداد پہونچا تو قاضی یحیٰی بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلاء میں سے بیس شخص انتخاب کئے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں۔ فرامین بھیجکر ہر جگہ سے ادیب فقیہ۔ شاعر۔ متکلم۔ حکیم۔ طلب کئے۔ اور معقول تنخواہیں مقرر کیں[4]۔

اصمعی کو جو ایک اعجوبہ روزگار شخص۔ اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اُسی کی روایت ہے بصرہ سے بُلانا چاہا۔ مگر چونکہ اُس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا۔ اس لئے حکم دیا۔

---

[1] کشف الظنون ذکر ارصد ۱۲۔ [2] دیکھو جامع المقاصد الہندیہ مطبوعہ فرانس مقام پُن ۱۸۴۵ء صفحہ ۱۰۰۔ [3] کشف الظنون ذکر زیچ حبش الحاسب
[4] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۲۱۱۔ [5] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۲۔

کہ نحو اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علما حل نہ کر سکیں۔ اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں[۵۱]۔ شاہ یونان کو خط لکھا کہ "حکیم لیو کو اجازت دی جاوے کہ مجھکو یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے۔ جس کے عوض میں صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ ٹن سونا دینا منظور کرتا ہوں[۵۲]۔

فرا نحوی کو جو علم نحو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمامی اصول کو حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اِس غرض سے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا۔ اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ فرا کو کسی ضرورت کے لئے کچھ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کرتا تھا کہ "وقت ہوا" بہت سے کاتب اور ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھ فرا بتاتا جائے۔ لکھتے جائیں۔ دو برس کی متصل محنت میں ایک نہایت بسیط کتاب تیار ہوئی۔ ماموں نے حکم دیا کہ اِس کی بہت سی نقلیں لکھوا کر کتب خانوں میں بھیجی جائیں۔ اِس کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ فرا نے اُس کے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور لکھوائی۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اُس کے لکھنے کے لئے ہر روز فرا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ میں نے اِن سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا۔ لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسّی تھے[۵۳]۔

ماموں کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے میں ہوئی۔ گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہونچ چکی تھی۔ لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع النظر مصنفوں تذکروں کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے۔ فارسی لٹریچر خلافت ماموں کا یہ ابدی احسان ہے۔ کہ اِس عہد میں اُس کی مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ ماموں کی زبان مادری فارسی تھی۔ اُس کا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا۔ لیکن دربار میں صرف عرب کے شعرا تھے۔ جو جشن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے۔ اِس بات نے **عباس** مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک

[۵۱] ابن خلکان ترجمۂ اصمعی۔ [۵۲] جیمبرس انسائکلوپیڈیا۔ مطبوعہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۰۲۔ جلد اول ۱۲۰۔

[۵۳] مرآۃ الجنان یافعی۔ و ابن خلکان ترجمہ فرا نحوی۔ ۱۲۰۔

بے کے ساتھ حوصلہ دلایا کہ ملک کی مردہ شاعری کو پھر زندہ کرے مامون کی مدح میں اُس نے ایک قصیدہ لکھا. جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بدیں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہست با ایں نوع بین
لیک زاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت	گیرد از مدح وثنائے حضرت تو زیب وزین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا۔ کہ حب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر۔ اپنے ملک کی زبان کو اُس سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اور نہیں کر سکتا۔

علم خط مامون کے عہد میں علم خط نے بھی جو ایشیا کا ایک بڑا جوہر ہے۔ نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے۔ منصور۔ وہدی عباسی کے زمانے میں اسحٰق بن حماد۔ مشہور خوشنویس تھا۔ اُس کے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کئے تھے لیکن اس وقت تک کسی نے اس فن کے اصول وضوابط نہیں لکھے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اُس وقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا۔ سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اُس کے اصول وقاعدے منضبط کئے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا۔ جو اُس کی طرف منسوب ہو کر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

مامون کا فضل وکمال علمی مجالس
اہل علم کی قدردانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا جو فضل وکمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس

---
[۱] دیکھو تذکرہ مجمع الفصحا۔ ذکر عباس مروزی۔ ۱۲

ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اُس کو خلفا و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ فقہ۔ فلسفہ۔ کون سی بزم ہے۔ جہاں فخر و شرف کے ساتھ اُس کا استقبال نہ کیا جاتا۔ قریباً پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علما جو اُس کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ ہر ایک یگانۂ وقت تھا۔

یزیدی جس کو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد تھی۔ ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اُس کا اُستاد تھا۔ لغت میں کتاب النوادر یزیدی ہی کی تصنیف ہے۔ وہ ۲۰۲ھ ہجری تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ مامون کا دوسرا اوستاد۔ کسائی۔ نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے۔ **امام مالک** جو فن حدیث میں مامون کے استاد تھے۔ مشہور امام ہیں۔ آج دنیا میں سُنّی مذہب کے لوگ قریباً ایک ربع اُنہیں کے مقلد اور پیرو ہیں۔

مامون کے اساتذہ اور طالب العلمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دوہرانا نہیں چاہتے ناظرین کتاب کے حصہ اول میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں۔ اُن صفحوں کو ایک بار اور اُٹھا کر دیکھ لیں۔ ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں مامون کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے

حکایات

ایک دن علمار کا مجمع تھا۔ ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے۔ ایک عورت فریادی آئی کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا۔ مگر لوگوں نے ترکہ میں مجھکو ایک ہی اشرفی دلوائی۔ **مامون** نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا۔ دیکھا تو سہام صحیح تھے۔ عورت سے کہا کہ ہاں تجھ کو اتنا ہی ملنا چاہئے۔ اس غیر موقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علمار نے پوچھا "امیر المومنین" کیونکر۔ مامون نے کہا "متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی۔ دو ثلث یعنی چار سو اشرفیاں تو اُن کو ملیں۔ ماں بھی ہوگی۔ جس کو سدس یعنی سو اشرفیاں پہونچیں۔ زوجہ کو ثمن یعنی چھٹا حصہ۔ ملا ہوگا۔ ۲۵ باقی رہے" مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا سچ کہنا۔ تیرے بارہ بھائی ہیں" عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں۔ مامون نے کہا "دو دو اُن کو ملیں ۲۴ ہوئیں۔ ایک باقی رہی۔ وہ تیرا حق ہے"

۱؎ تاریخ الخلفا، سیوطی ۱۲

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ محدث ہوں اور اسی فن میں کل زندگی بسر کر دی ہے۔ مامون نے کہا اس مسئلے کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بھی نہ بتا سکا۔ مامون نے بیسوں روایتیں بیان کیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہشیم نے یہ کہا ہے۔ حجاج نے یہ روایت کی ہے۔ ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے" پھر اس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ مامون نے اسی طرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کئے۔ اور درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "لوگ تین دن حدیث پڑھکر بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں۔ خیر۔ تین درہم اسکو دلاؤ۔

ادب و شاعری میں وہ کمال بہم پہونچایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ماہرین فن اس کی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدما اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اس کو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی۔ علامہ یزیدی نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے نہایت متعجب ہو کر کہا۔ کیا مامون سے بھی زیادہ۔ یزیدی نے کہا[۱] ہاں۔ مامون نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملا دیا تھا۔ لیکن واثق نے ادب کے سوا اور کسی فن کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ مامون کو اس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا خود اس کی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو لکھا تھا۔ اسکو حفظ یاد تھا۔ اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اسکی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی موزون اور طباع عطا کی تھی۔ کہ شعرا اسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ ایک موقعہ پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعہ ثانی کے شروع ہونے سے پہلے مامون بتا تا گیا کہ یہ قافیہ ہے اور اس پہلو سے بندھا ہو گا۔ عمارت نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ خدا گواہ ہے۔ اب تک اس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے

ادب

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲۰-

مامون نے کہا تم کو یہ معلوم ہوگا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا لکھا ہوا ہے۔ قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے ہیں انہیں کا فرزند ہوں[1]۔ ایک بار اُس نے محمد بن زیاد اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نساب تھا پوچھا کہ ہند کے اس مصرعہ میں نحن بنات طارق (ہم طارق کی بیٹیاں ہیں)، طارق سے کون مراد ہے۔ محمد بن زیاد نے بہت خیال دوڑایا مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور میں نہیں بتا سکتا مامون نے کہا "یہاں "طارق" کے معنی ستارہ کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ شاعرہ نے فخریہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے" محمد نے عرض کیا کہ کوئی سند ارشاد ہو۔ مامون نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (یعنی ہارون الرشید) کا فرزند ہوں۔ یہ کہکر فخر کے جوش میں عنبر کا ایک غلہ جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ محمد کی طرف پھینکا۔ محمد نے اس گرانبہا انعام کو جو پانچ ہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول کیا اور رخصت ہوا[2]۔

مروان بن ابی حفصہ اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اُس کو ایک قصیدہ پر اسپ خاصہ و خلعت اور پانچ ہزار دینار انعام میں دئے تھے۔ چونکہ مامون الرشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا۔ مروان نے اس اُمید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے اور مامون کو سنائے۔ لیکن اس بات سے کہ مامون نے نہ کچھ واد دی نہ اُس کے چہرے سے کچھ قبول کا اثر ظاہر ہوا۔ مروان کو سخت تعجب ہوا۔ دربار سے واپس آکر عمارۃ بن عقیل سے کہا "کیوں تمھاری کیا رائے ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے" (عمارۃ) "ایں!! مامون سے زیادہ اور کون نکتہ سنج ہو سکتا ہے (مروان) "مگر میں نے تو اس کے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا تھا۔ اور اُس کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔

اضحی امام الهدی المامون مشتغلا		بالدین والناس بالدنیا مشاغیل	

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

[2] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

ترجمہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں۔ لیکن۔ امام۔ رہنما۔ مامون دین میں مشغول ہے۔ عمارت (سبحان اللہ۔ اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ مامون نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے۔ اگر مامون (جو بار سلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا اور کون ہوگا۔ (مروان) اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی۔

مامون کی فصاحت و بلاغت

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامۃ بن اشرس کا قول ہے کہ "میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح اور بلیغ کسی کو نہیں دیکھا"[1]

مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں۔ جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے۔ اگرچہ اُس وقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا۔ جیسا جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا۔ اور خصوصاً پولٹیکل موقع پر تو اُسکی صدا بالکل ناپید ہوگئی تھی۔ تاہم جمعہ اور عیدین میں ابتک فصحا اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے۔ لیکن آجکل کی طرح لکھکر اموختہ نہیں سناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبانی اور محل کہتے تھے۔ اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے۔ کتاب العقد لابن عبد ربہ میں بالفاظہا مذکور ہیں مگر افسوس ہے کہ اُن کا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہوگا۔ ناظرین میں سے عربی دان کتنے ہیں۔ اور ترجمہ کیا جاوے تو وہ بات نہیں رہتی۔ سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند رتبہ شاعر تھا اُس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمے سے ہوسکتا ہے ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں[2]۔

لسانی کتوم لاسرارکم	میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے
ودمعی نموم لسری مذیع	لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کردیتے ہیں۔
فلولا دموعی کتمت الهوی	اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔
ولولا الهوی لم یکن لی دموع	اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے۔
انا المامون والملک الهمام	میں **مامون** ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں۔
ولکنی بحبک مستهام	لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں۔

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲۔ [2] یہ اشعار فوات الوفیات و تاریخ الخلفاء و کامل ابن الاثیر و عقد الفرید سے جمع کئے گئے ہیں۔ ۱۲

اترضی ان اموت علیک وجدا	کیا تجکو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مرجاؤں
ویبقی الناس لیس لھم امام	اور دنیا بے امام کے رہجائے۔
بعثتک مرتادا ففزت بنظرۃ	میں نے تجکو محبوب کی تلاش میں بھیجا۔ تو اُسکے دیدار سے کامیاب ہوا
واغفلتنی حتی اسات بک الظنا	اور مجھے بھول گیا۔ جس سے مجکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی۔
فناجیت من اھوی وکنت مباعدا[۱]	میرے محبوب سے تونے سرگوشی کی۔ اور میں دور تھا۔
فیالیت شعری عن دنوک ما اغنی	ہائے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا۔
فیالیتنی کنت الرسول وکنتنی	کاش میں ہی قاصد ہوتا۔ اور تو بجائے میرے ہوتا۔
فکنت الذی تقصی وکنت الذی ادنی	پس تو محبوب سے دور رہتا اور میں قریب ہوتا۔
اری اثرا منہ بعینک بینا	میں تیری آنکھوں میں علانیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں۔
لقد اخذت عیناک من عینہ حسنا	بے شبہ تیری آنکھوں نے اسکی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے

قاصد پر رشک کرنا شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے۔ اور بہت سے نازک خیالوں نے اُس کے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اس کا شعر یہ ہے۔ **شعر**

بسوئے او نفرستم پیام از آں ترسم	کہ بر حکایت من مطلع شود پیغام

مگر نکتہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندش میں جدت کے ساتھ بات میں بات نکالی ہے۔

ہمہ دانی

ایک بار عید کے دن **مامون** کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کہانے دستر خوان پر چنے گئے۔ مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ " بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے۔ سوداوی کو وہ نافع ہے۔ جس کو صفرا کا زور ہو۔ وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے۔ جو قلیل غذا کا عادی ہے وہ یہ کھائے مامون کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی یحیی بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساختہ بول اُٹھے کہ " امیر المومنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے

[۱] قاصد سے خطاب ہے۔ ۱۲

طب کا ذکر ہو تو آپ جالینوس وقت ہیں۔ نجوم کی بات چھڑے تو ہرمس فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضےٰ۔ سخاوت میں حاتم۔ راست بیانی میں ابوذر۔ وفا میں سموئل۔" اس بیجی خوشامد سے مامون بھی پھڑک اُٹھا۔ اور کہا کہ "ہاں آدمی کو جو شرف ہے عقل سے ہے۔ ورنہ خون اور گوشت میں کیا خوبی رکھی ہے۔

مامون کے چیدہ اقوال

مامون کے بعض دل آویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہوگا جن سے اُس کے لطیف اور اعلیٰ وفیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُس کا قول تھا کہ "شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبالے اور چھوٹوں سے خود دبے۔" "عقلوں کی لڑائی دیکھنے سے۔ دنیا میں کوئی تماشا عمدہ نہیں۔" "دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونے کے زیادہ پسند کرتا ہوں۔" "آدمی تین قسم کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں۔ جن کی ہر وقت ضرورت ہے۔ بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں پسندیدہ نہیں۔" پادشاہ کو لجاجت نہایت نازیبا ہے۔ اور اُس سے زیادہ یہ نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کرسکے۔ اور گھبرا جائے۔ اور ان سب سے زیادہ ناموزوں۔ بوڑھوں کی ظرافت۔ جوانوں کی کا بلی۔ سپاہی کی بزدلی ہے۔" سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو۔"

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شایق تھا۔ مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ "عرصۂ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کرسکتا۔"

مناظرہ اور علمی مجلس

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُسکا یہ دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی افضل تر ہیں۔ ایک بڑے معرکے کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ ادہر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اُٹھا دیا گیا تھا۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی صبح سے قریبًا دوپہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقدہ میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر جودت ذہن

کثرت معلومات۔ حسن بیان۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔

یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں۔ لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا۔ جس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب وملت کے علماء، اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوئے۔ ایک پرتکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔ سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہئے تو پاؤں کے موزے بھی اتار ڈالئے۔ پھر دسترخوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ واشربہ سے مزین ہوتا تھا۔ بچھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر سب نے وضو کیا۔ عود لوبان کی انگیٹھیاں آئیں۔ کپڑے بسائے خوشبو ملی۔ خوب مطیب ومعطر ہوکر دارالمناظرۃ میں حاضر ہوئے۔ اور مامون کے زانو سے زانو ملاکر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا۔ لیکن اس آزادی سے گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے[۵۱]۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ مگر مامون بڑے حلم ومتانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد سولی وعلی بن الہیثم بحث کے دو فریق تھے گفتگو جسقدر بڑھی بدمزہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ محمد صولی نے علی کو سخت کہدیا۔ علی نے برافروختہ ہوکر کہا "اسوقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتی تو دو سنتے" اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتاً مامون کا چہرہ متغیر ہوگیا تاہم اسنے ضبط کیا اور اٹھکر زنانہ میں چلا گیا۔ کہ بات کو ٹال جائے۔ جب غصہ فرو ہوا تو پھر دربار میں آیا[۵۲]۔

ایک دن ایک ثنوی المذہب[۵۳] سے نہایت لطیف بحث ہوئی۔ مامون نے اس سے پوچھا کہ انسان برا کام کرنے کے بعد کبھی شرمندہ بھی ہوسکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں

دارالمناظرہ

ثنویہ

---

۵۱ مروج الذہب مسعودی۔ خلافۃ المامون ۵۲ اغانی۔ جزء ۱۴ صفحہ ۳۰۔ مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ھ ۱۲۰

۵۳ ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا جدا جدا خالق مانتا ہے

(مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا بُرا (ثنوی) اچھا ہے۔ (مامون) جو شخص خادم ہوا گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا۔ یا کسی دوسرے شخص سے (ثنوی) اُسی سے (مامون) بس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا۔ اور ثواب بھی (ثنوی) گھبرا کر نہیں میں یہ کہونگا کہ جو نادم ہوا اُس نے گناہ نہیں کیا تھا۔ (مامون) تو اُس کو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (ثنوی) آخر لاجواب ہوکر ساکت ہوگیا[۵۱]۔ ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم تھی۔ چوبدار نے اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے۔ اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔ مامون نے حکم دیا کہ "بلالو" آیا تو اس ہئیت سے آیا کہ جوتا ہاتھ میں اور پائیچے چڑھے ہوئے۔ صف نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا "السلام علیکم ورحمتہ اللہ"۔ مامون نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کہ قریب آکر بیٹھے۔ مامون سے اُس نے پوچھا کہ "خلافت آپ نے بزور حاصل کی ہے یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے۔ اتفاق رائے سے آپکو منتخب کیا ہے" مامون نے کہا "نہ زور سے نہ اتفاق سے۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمراں تھا۔ اور عامہ مسلمانان جبراً یا طوعاً اُسکے حلقہ بگوش اطاعت تھے۔ اُسنے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی اور اُس وقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت پر دستخط کئے۔ اُسکے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا۔ کہ جسپر دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو۔ لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ ادھر ملک کے نظم و نسق کے لئے ایک قوی انتظام کی ضرورت تھی۔ ورنہ امن وامان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے۔ مجبوراً تا سردست میں نے یہ بار اپنے سر لیا۔ اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کرلیں تو میں عنان حکومت اُسکے ہاتھ میں دیکر الگ ہو جاؤں۔ میں تمکو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھکو خبر کرنا[۵۲]۔

ایک دن مامون نے یحیٰی بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے۔ کہا کہ میری خواہش ہے کہ

---

۵۱ عقد الفرید " ۵۲ مروج الذہب مسعودی۔ خلافت مامون۔

آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے۔ معمول کے موافق ممبر رکھا گیا۔ اور مامون نے ممبر پر بیٹھکر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اُس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے۔ ممبر پر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ "تم لوگوں کو کچھ مزہ نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں۔ جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے۔ اور ممبر پر بھی بیٹھتے ہیں تو اُن کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں" مامون کی راحت پسندی کا اکبر شاہ کی خودرائی اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے

ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حاضر کیا گیا حسب معمول بہت سے منجم اور ہیئت داں علما بھی حاضر تھے مگر کسی کو اُسکے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زایچہ دیکھکر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ سب نے صحن میں جاکر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے مشتری سنبلہ میں تھا۔ اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد عقرب میں تھے اور عقرب کی طرف ناظر تھے۔ اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے صحیح ہوگا۔ لیکن یحییٰ بن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری ہبوط میں ہے۔ اور جس برج میں ہے۔ اُس سے کارد ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بالکل زائل کردی ہے۔ دونوں فریق قیاسات لگا چکے۔ تو مامون نے کہا "یہ بھی جانتے ہو کہ اس شخص نے کس بات کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ نبوت کا مدعی ہے"

حاضرین دربار یہ سنکر اُس سے معجزہ کے طالب ہوئے۔ اُس نے ایک انگوٹھی پیش کی۔ کہ میرے سوا جو اسکو پہنے گا۔ بے اختیار ہنسنا شروع کریگا۔ اور جبتک اتار نہ ڈالے یہی حالت رہیگی۔ لیکن اگر میں پہن لوں تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اُس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا۔ اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق

---

۵۱ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ ماموں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی نادر ملی شعبدہ ہے۔ اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا۔
ماموں نے اسکو اپنا ندیم بنالیا۔ اور اس قدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اُسنے اپنا راز بتادیا۔ اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کردی۔

ماموں نے ہزار دینار انعام میں دئے اور مقربین میں داخل کرلیا۔[۵۱] یہ شخص ریاضی اور ہئیت کا بڑا عالم تھا۔ طلسم الخنافق اُسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا۔

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۳ھ ہجری جو خلیل بصری کے شاگرد۔ اور حدیث فقہ۔ نحو۔ غریب۔ شعر۔ ایام العرب میں استاد وقت تھے۔ ماموں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ ماموں کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے۔ اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص و عبا زیب بدن کئے ہوئے ایوان شاہی میں چلے آئے (ماموں) کیوں۔ نضر! امیرالمومنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو (نضر) مرو کی سخت گرمی کی انہیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (ماموں) یہ تو بہانے ہیں اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پہ مرتے ہو" اس کے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔

ماموں نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا فتحہ سے پڑھ گیا۔ نضر نے اس غلطی پر اسکو متنبہ کرنا چاہا تو اسی حدیث کو اپنی واسطے بیان کیا اور سداد کو بکسر پڑھا۔ ماموں تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ دفعتاً سنبھل بیٹھا۔ اور کہا کیوں کیا سداد بفتحہ غلط ہے" نضر۔ ہاں ہشیم آپکے استاد نے آپکو غلط بتایا (ماموں) کیا دونوں کے معنے مختلف ہیں (نضر) سداد بالفتح کے معنی راست روی کے ہیں۔ سداد بالکسر اُسکو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (ماموں) کوئی سند بتاسکتے ہو (نضر) عربی کا یہ شعر موجود ہے۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا	لیوم کریمۃ وسداد ثغر

[۵۱] مختصر الدول۔ حکمائے عہد ماموں ۱۲

مامون نے سر نیچے کر لیا اور کہا کہ خدا اُسکا بُرا کرے جسکو فن ادب نہیں آتا!" پھر نضر سے مملعت مضامین کے اشعار سُنے اور رخصت ہونے کے وقت وزیر اعظم **فضل بن سہل** کو رقعہ لکھدیا کہ پچاس ہزار درہم نضر کو عطا کئے جائیں۔ نضر یہ رقعہ خود لے کر فضل کے پاس گئے۔ فضل نے رقعہ پڑھکر کہا۔ تم نے امیرالمؤمنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیرالمؤمنین پر کیا الزام ہے۔ فضل نے پچاس ہزار پر تیس ہزار اور اپنی طرف سے مزید کئے۔ اس طرح ایک غلطی بتلانے کے صلہ میں۔ نضر نے اسی ہزار درہم حاصل کئے[1]

کلثوم عتابی۔ جسکو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا۔ اور بجا بھی تھا۔ مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر بغداد پہونچا۔ اور دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے مزاج پرسی کی۔ اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی۔ کہ مامون بھی حیرت میں رہگیا اور حکم دیا کہ ہزار دینار اُسکے سامنے لاکر رکھدیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحق موصلی کی طرف اشارہ کیا کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائے اسحق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی۔ اور اعتراضات کا تار باندہ دیا۔ کلثوم بالکل حیرت زدہ ہوگیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہوسکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحق کی طرف متوجہ ہوا کہ "آپکا نام و نسب کیا ہے"۔ "اسحاق، نسباً آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے"۔ کلثوم ہنسے تو خیر ظاہر ہے۔ مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے (اسحق) "کل بصل"۔ "کلثوم" سے تو زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی[2] ہے۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی کہ ہزار دینار جو مجکو انعام میں عطا ہوئے ہیں انکو دلائے جائیں مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اسحاق کو بھی اُسیقدر صلہ عطا کیا جائے[3]

مامون کا دربار اگرچہ نامور شعرا سے معمور تہا۔ جو وقتاً فوقتاً قصیدے اور قطعے لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے۔ لیکن عام ایشیائی فرمانرواؤں کی طرح وہ اپنی مدح کی دلاویز صداؤں سے جی خوش کرنا نہیں چاہتا تہا۔ بلکہ اس فیاضی سے اوس کو زیادہ تر علم و

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ [2] عربی میں لہسن کو ثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں ۱۲ [3] مروج الذہب مسعودی خلافت مامون ۱۲

ادب کی ترقی مقصود تھی۔ تشبیب اور عام مضامین کے متعلق جو اشعار ہوتے تھے ان کو نہایت ذوق سے سنتا تھا۔ لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سننا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور یہ کہکر شاعر کو روک دیتا تھا کہ "بس میری قدر افزائی کے لئے اتنا کافی ہے"[۵۱]

اہل علم کی قدردانی

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی۔ اہل کمال کا عموماً وہ نہایت ادب کرتا تھا۔ اور اسکی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے بالکل بے روک تھیں علامہ **واقدی** نے جو فن سیر کے امام ہیں۔ ایک بار مامون کو خط لکھا جسمیں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جسقدر قرضہ چڑھ گیا تھا۔ اُس کی تعداد لکھی تھی۔ مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "آپ میں دو عادتیں ہیں۔ حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھولدئے ہیں کہ جو کچھ تھا آپنے سب اڑا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپنے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دیدیا ہے۔ تعداد مطلوبہ کا مضاعف آپکی خدمت میں پہونچ جاویگا۔ اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لئے یہ تعداد پوری نہ اترے تو خود آپ کی کوتہ قلمی کا قصور ہے۔ اور اگر کافی ہو جائے تو آیندہ بھی آپ جس قدر چاہیں فراخ دستی سے صرف کریں۔ خدا کے خزانہ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ آپنے خود مجھسے حدیث روایت کی تھی۔ کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تھا کہ زرق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ خدا بندوں کے لئے اُنکے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے۔ زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم"۔ علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تھی وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر جوش ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے اُنکو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی[۵۲]

مامون کے دو فرزند فرا نحوی سے تعلیم پاتے تھے۔ ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند درس سے اُٹھا۔ دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدھی کر کے آگے رکھدیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہونچے اسپر نزاع ہوئی کہ اس شرف کیساتھ اختصاص کس کو ہو۔ آخر دونوں نے فیصلہ کرلیا اور ہر ایک نے ایک جوتی سامنے لاکر رکھی۔

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ فوراً اطلاع ہوئی۔ اور

۵۱؎ آغانی۔ ترجمہ اولاد ابو محمد یزیدی ۱۲ ۵۲؎ ترجمہ واقدی ابن خلکان ۱۲

فرا طلب کیا گیا۔ مامون نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے (فرا) امیرالمومنین سے زیادہ معزز کون ہوسکتا ہے۔ (مامون) وہ جنکی جوتیاں سیدہی کرنے پر امیرالمومنین کے لخت جگر بہی آپس میں جھگڑا کریں۔ (فرا) میں نے خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تہا۔ مگر یہ خیال ہوا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکہوں عبداللہ بن عباس نے بہی حسین علیہ السلام کے رکاب تہامی تہی۔ اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں اُن سے بہت بڑے ہیں تو انہوں نے ڈانٹا کہ "اے جاہل چپ رہ تو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے" (مامون) اگر تم ان کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات نے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی۔ بلکہ اصالت کے جوہر دکہا دیئے۔ بادشاہ۔ باپ۔ اُستاد کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے یہ کہہ کر لڑکوں کو سعادت مندی۔ اور فرا کو حسن تعلیم کے صلے میں دس دس ہزار درہم عطا کئے[۱]۔

مامون کے۔ عام اخلاق و عادات شاہانہ شان و شوکت عیش و طرب کے جلسے

مامون کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں۔ تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین دانائی۔ عزم۔ بردباری۔ علم رائے۔ تدبیر۔ ہیبت۔ شجاعت۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی۔ میں اُس سے افضل نہیں گذرا۔ مامون کا یہ ادعا کچھ بیجا نہیں تہا کہ "معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا۔ عبدالملک کو حجاج کا۔ اور مجکو خود اپنا"۔

ہرون الرشید اکثر کہا کرتا تہا کہ "میں۔ مامون۔ میں منصور کا حزم۔ مہدی کی خدا پرستی۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں۔ ان باتوں پر اگر اس کے عفو و انکسار بے تکلفی۔ سادہ مزاجی۔ کی صفتیں بڑہائی جائیں۔ تو افضلیت کا دائرہ۔ جسکو مورخین نے

---

[۱] ابن خلکان۔ ترجمہ فراء نحوی۔

بنی العباس تک محدود کیا تھا۔ تمام سلاطین اسلام کو محیط ہو جاتا ہے۔

مامون کا قول تھا کہ مجکو "عفو میں ایسا مزہ آتا ہے کہ اوسپر ثواب ملنے کی توقع نہیں"۔ عبد اللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار مامون کی خدمت میں میں حاضر تھا۔ اس نے غلام کو آواز دی۔ مگر صدائے برنخاست۔ پھر پکارا تو ایک غلام ترکی حاضر ہوا۔ اور آتے ہی بڑبڑانے لگا۔ کہ "کیا غلام کھاتے پیتے نہیں۔ جب ذرا کسی کام کے لئے باہر گئے تو آپ 'یا غلام یا غلام' چلانے لگتے ہیں۔ آخر یا غلام کی کوئی حد بھی ہے"۔

مامون نے سر جھکا لیا۔ اور دیر تک سر بگریبان رہا میں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر نہیں۔ مامون میری طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا کہ "نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ انکے نیک خو کرنے کے لئے میں بدمزاج بنوں[1]"

ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا۔ ارکان دولت دست بستہ کھڑے تھے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تھا کہ "مامون جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا کیا ساری آنکھ میں عزت حاصل کر سکتا ہے"۔ مامون یہ سنکر مسکرا دیا۔ اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہو کر کہا "کیوں صاحبو آپ ایسی بھی کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں۔ کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نظروں میں موقر ہو سکوں[2]"۔

ناظرین کو غالباً اس بات سے تعجب ہوگا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شان خلافت کے شایاں نہ تھا۔ مامون کو ناز تھا۔ وہ فخر سے کہتا تھا کہ "خواص و خدام اکثر اپنے جلسوں میں بیٹھکر مجکو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں خود اپنے کانوں سے سنکر دانستہ اغماض کرتا ہوں[3]"۔

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تھا۔ امین کے قتل کا نہایت جانگداز مرثیہ لکھا۔ جس میں مامون کو بہت کچھ برا بھلا کہکر دل کے پھپھولے توڑے تھے مامون نے یہ اشعار سنے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ دربار میں نہ آئے

[1] مستطرف فی کل فن مستظرف ۱۲ [2] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲ [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

چند روزوں کے بعد پھر بلایا اور کہا "سچ کہنا بھائی امین کے قتل اور بغداد کی فتح کے دن تو نے کسی ہاشمی عورت کو مارے جاتے۔ اور ذلیل ہوتے دیکھا تھا" حسین نے کہا کسی کو نہیں۔ مامون نے اُسکے الزام دینے کو۔ اس کے چند اشعار پڑھ کر سنائے جنمیں اس نے نہایت دردانگیز لفظوں میں یہ سماں کھینچا تھا کہ بغداد تباہ کیا جا رہا ہے۔ اور آل ہاشم کی نازک اور گل اندام عورتیں غارت گردن کے بے رحم ہاتھ سے اپنے ناموس کو نہیں بچا سکتیں" حسین نے کہا "اے امیر المومنین۔ یہ ایک جوش تھا جس کو میں دبا نہ سکا۔ امین کے غم میں صحیح اور غلط کی کس کو تمیز تھی۔ خلیفۂ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہو سکا ادا ہوا۔ اگر تو مواخذہ کرے تو تجکو حق ہے۔ اور بخشدے تو تیری فیاضی ہے" مامون کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے۔ اور حکم دیا کہ اسکی تنخواہ بحال کردیجائے۔ ایک بار اسی حسین نے ایک قصیدہ لکھکر حاجب کو دیا کہ مامون کی خدمت میں پیش کرے۔ قصیدہ شاعری کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ مامون نے سخنوری کی داد دی مگر حاجب سے کہا کہ اسی حسین کا یہ بھی شعر ہے۔ شعر

فلا فرح المامون بالملک بعدہ		ولا زال فی الدنیا طریدا مشردا

ترجمہ "خدا کرے مامون اوسکے بعد کبھی سلطنت سے لذت نہ اٹھاوے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے" مامون نے یہ شعر پڑھکر حاجب سے کہا کہ "مدح وذم مل کر برابر ہوگئی۔ اب شاعر کو صلہ کا کوئی حق نہیں" حاجب نے عرض کیا پھر حضور کی وہ عفو کی عادت کیا ہوئی۔ مامون نے کہا۔ ہاں یہ صحیح۔ اچھا مناسب انعام دیا جائے

جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تھا۔ کوثر اُس کا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنے کو نکلا۔ اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر آکر لگا۔ اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پونچھتا جاتا تھا۔ اور یہ اشعار جو اوس وقت اُسکی زبان سے بے ساختہ نکلے تھے پڑھتا جاتا تھا۔

ضربوا قرۃ عینی	لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا۔

ؔ کامل ابن الاثیر۔ فتح بغداد۔ ۱۲ ؔ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

ومحق اجلی ضربوہ	اور میری ضد کی وجہ سے مارا
اخذ اللہ بقتبی من	جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا۔
انا من احرقوہ	خدا ان لوگوں سے میرے دل کو بدلالے۔

چونکہ عمر وہ دل نے یاری نہ دی۔ اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکا۔ اور عبداللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان اشعار کو پورا کر دے۔ عبداللہ نے چند شعر لکھے جسکے اخیر شعر یہ ہیں۔

من رای الناس لہ افضل	لوگ جسکو صاحب فضل دیکھتے ہیں۔
علیہم حسدوہ	اسپر حسد کرتے ہیں۔
مثل ماحسد القائم	جس طرح خلیفہ وقت پر اُسکے بھائی۔
بالملک اخوہ	(ماموں) نے حسد کیا۔

امین کے قتل کے بعد یہی شاعر ماموں کے دربار میں حاضر ہوا کہ مدح سنا کر انعام لے (ماموں) نے اسکی طرف دیکھکر کہا کہ ہاں وہ کیا شعر ہے مثل ما حسد القائم بالملک اخوہ شاعر نے اُسکی معذرت میں چند اشعار برجستہ پڑہے ماموں نے پچھلے جرم کا کچھ خیال نہ کیا اور دس ہزار انعام دلائے[۱]۔

ماموں کو دعوے تہا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے علم کو متزلزل نہیں کرسکتا۔ ایک شخص سے جو متعدد بار نافرمانیاں کرچکا تہا اُسنے کہا کہ "تو جسقدر گناہ کرتا جائے گا میں بخشتا جاؤں گا۔ یہانتک کہ آخر عفو تجکو تمکا کر درست کر دیگا[۲]۔ ماموں کی اس رحم دلی پر لوگوں کو اس قدر بھروسہ ہوگیا تہا کہ بے تکلف اُسکے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر دیتے تہے۔ عبدالملک جسکی شکایت کی بہت سی عرضیاں گذر چکی تھیں۔ ماموں نے اُسکو بلاکر پوچھا کہ اصل کیا بات ہے۔ عبدالملک نے مطلقاً انکار کیا۔ ماموں نے کہا مگر مجکو تو اُسکے خلاف خبریں پہونچتی ہیں۔ عبدالملک نے عرض کیا۔ امیرالمومنین اگر کوئی بات ہوتی تو میں خود اقرار کر دیتا۔ حضور کا عفو تو ہر حالت میں میری حمایت کے لئے سپر بن سکتا تہا۔ پہر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کہوتا[۳]۔ ماموں اگرچہ

[۱] تاریخ الخلفا ۱۲ [۲] تاریخ الخلفا ۱۲ [۳] عقد الفرید ۱۲

ملک کے ایک ایک جزئیات سے خبر رکھتا تھا۔ اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر دیتا تہا۔ مگر غمازوں کا جانی دشمن تہا۔ اس باب میں اُس کے مقولے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اُسکے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تہا تو اکثر کہا کرتا تہا۔ کہ وہ ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جنکو خدا نے سچ کہنے پر بھی لعنت کی ہے۔ اُسکا قول تہا کہ وہ جس شخص نے کسی کی شکایت کر کے اپنی عزت میری آنکھوں میں گہٹا دی پھر کسی طرح اُس کی تلافی نہیں کر سکتا ۱؎

مامون اگرچہ بڑی عظمت وشان کا بادشاہ تہا۔ اور نامور ی کے دفتر میں عام مورخین نے اُس کے جاہ وجلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی ہیں۔ مگر ہمارے خیال میں جو چیز اُس کی تاریخ زندگی کو نہایت فرحناک اور پُر اثر بنا دیتی ہے وہ اُس کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھکر کل اسلامی دنیا کا ذمہ دار بنتا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکہنا بالکل پسند نہیں کرتا۔ اکثر اہل علم وارباب کمال راتوں کو اُس کے مہمان ہوتے تہے۔ اور اُس کے بستر سے بستر لگا کر سوتے تہے۔ مگر اس کا عام برتاؤ ایسا ہی ہوتا تہا۔ جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔ قاضی یحییٰ ایک رات اُس کے مہمان تہے۔ اتفاقاً آدہی رات کے بعد اُن کی آنکھ کھل گئی۔ اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرہ سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تہا۔ مامون نے پوچھا خیر ہے۔ قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت کی۔ مامون خود چلا گیا۔ اور دوسرے کمرے سے پانی کی صراحی اُٹھا لایا۔ قاضی صاحب نے گہبرا کر کہا۔ حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ مامون نے کہا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید القوم خادمھم

راتوں کو خدام سو جاتے تہے تو خود اُٹھکر چراغ اور شمعیں درست کر دیا کرتا تہا۔

ایک بار باغ کی سیر کو گیا۔ قاضی یحییٰ بھی ساتھ تہے۔ مامون اُنکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر

۱؎ عقد الفرید ۱۲

ٹہلنے لگا۔ جانے کے وقت دہوپ کا رخ قاضی صاحب کی طرف تہا اور دہرے واپس آتے وقت ماموں کی طرف بدل گیا۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں تاکہ ماموں سایہ میں آجائے۔ لیکن اُس نے گوارا نہ کیا اور کہا کہ یہ انصاف سے بالکل بعید ہے پہلے میں سایہ میں تہا۔ اب واپسی کے وقت تمہارا حق ہے۔[۱] ماموں کی سادہ مزاجی کچھ عربی النسل ہونے کی حیثیت سے نہ تہی۔ بے شبہ عباسی خاندان عرب کا ایک مشہور اور ممتاز خاندان تہا۔ لیکن قریبًا سو برس سے شاہنشاہی کا چتر اُس پر سایہ فگن تہا۔ اتنی مدت میں نسل۔ اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بالکل شاہانہ آداب اور تکلفات سے بدل گئی تھیں۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تہا سریر خلافت کے آگے قریبًا بیس ہاتھ کے فاصلہ پر ایک مکلف پردہ پڑا ہوتا تہا اور درباری اُس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کہڑے ہوتے تہے۔ خلیفہ وقت پردے کی اوٹ میں بیٹھکر تمام احکام صادر کرتا تہا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اُٹھا دیا تہا۔ مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تہے۔

ماموں کے عہد تک تمام دربار اب تک اسی قسم کے آئین و آداب کا پابند تہا۔ ماموں کو ایک بار چھینک آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقے پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ ماموں نے سبب پوچھا۔ درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تہا ماموں نے کہا۔ کہ میں اُن بادشاہوں میں نہیں ہوں جو دعا سے عار رکہتے ہیں۔ چونکہ ماموں اس قسم کے بیہودہ آداب و مراسم کو ناپسند کرتا تہا۔ اہل دربار نے بھی تکلف کی قید سے آزادی حاصل کی۔

شاہانہ شان و شوکت

باایں ہمہ ماموں کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ شاہانہ جاہ و حشم یا مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوا تہا۔ دس ہزار درہم روزانہ صرف اُس کے طعام خاصہ کا صرف تہا۔ ایک یورپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا

[۱] تاریخ الخلفاء ۱۲

اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے۔
وہ لکھتا ہے کہ "جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا تو ان کا کل ضروری اسباب رسد وکہانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا۔ اور جب ماموں شکار کو نکلا تو۔ اُسکے ضروری اور معمولی سازوسامان کے لئے تین سو اونٹ بھی کافی نہوئے"[۱] دولت بنی امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تہا۔ اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اس قدر عظیم الشان تبدیلیاں ہوگئیں کہ کسی طرح قیاس میں نہیں آسکتیں۔

زبیدہ خاتون کے تکلفات

زبیدہ خاتون (ماموں کی سوتیلی ماں تھی) کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب زینت کے متن پر بہت سے حاشئے اضافہ کئے۔ جو نہایت ذوق اور مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام امراء و عمائد میں۔ رواج عام پا گئے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل اُسی کے شبستان عیش میں جلائی گئیں۔ جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں۔ چاندی۔ آبنوس صندل۔ کے قبے اول اسی نے تیار کرائے۔ اور انکو دیبا وسمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوا[۲]۔
ماموں کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت وشان سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی مسرفانہ فیاضی۔ اور حشمت و دولت کا سب سے بڑا نمونہ ہے۔
عربی مورخوں کا دعوی ہے کہ "گذشتہ اور موجودہ زمانہ۔ کوئی اس کی نظیر نہیں لاسکتا" ہماری محدود واقفیت میں اب تک کسی نے اُنکے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت لڑکی جس سے ماموں کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی۔ جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر ہوا تہا۔ اس لڑکی کا نام بوران تہا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی[۳]۔ ماموں مع خاندان شاہی اور ارکان دولت وکل فوج وتمام افسران ملکی۔ وخدام حسن کا مہمان ہوا۔ اور برابر ۱۹ دن تک اس

---

[۱] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۲ [۲] ایضاً [۳] تاریخوں میں بوران کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہے۔ تذکرۃ الخواتین میں جو زمانہ حال کی ایک معمولی تالیف ہے۔ عجب ہے کہ بورانی اسی بوران کی طرف منسوب ہے ۱۲ منہ رح

عظیم الشان بارات کی ایسے فیاضیانہ حوصلے سے مہمان داری کی گئی کہ ادنے سے ادنے آدمی نے بھی چند روزوں کے لئے امیرانہ زندگی بسر کرلی - خاندان ہاشم وافسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک وعنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں - جنپر کاغذ لپٹے ہوئے تہے - اور ہر کاغذ پر - نقد - لونڈی - غلام - املاک - خلعت - اسپ خاصہ - جاگیر - وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی -

نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تہا - کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اُسمیں جو کچھ لکھا ہو - اُسی وقت وکیل المخزن سے دلادیا جائے - عام آدمیوں پر مشک وعنبر کی گولیاں اور درہم ودینار نثار کئے گئے - ماموں کے لئے ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنا گیا تہا - اور گوہر ویاقوت سے مرصع تہا - ماموں جب اُس پر جلوہ فرما ہوا - تو بیش قیمت موتی اُس کے قدم پر نثار کئے گئے - جو زرین فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکہاتے تہے - ماموں نے ابونواس کا یہ مشہور شعر پڑہا - اور کہا کہ "ابونواس نے جو لکہا - گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھا -

كان صغرى وكبرى من فواقعها — جام شراب کے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں
حصباء در على ارض من الذهب — کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں -

زفاف کی شب جب نوشہ اور دولہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی دونوں پر نچھاور کئے - اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے [1] -

ماموں کی سخاوت وفیاضی

عرب کے مورخوں کے ماموں کی سخاوت و دریا دلی کا ذکر - فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے - اور چونکہ ماموں کے اصلی وعملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں - انکو ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی - ان صفات کے متعلق جس قدر مبالغہ کیا جاسکتا ہے خوش قسمتی سے وہ ماموں کے اصلی واقعات ہیں

[1] اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں کیا ہے - ابو الفدا - ابن الاثیر - ابن خلکان (ترجمہ بوران میں) اور دوسرے مورخوں نے بھی یہ حالات اجمالاً تفصیلاً لکھے ہیں -

گبن صاحب لکھتے ہیں۔

مامون کی فیاضی کی تعریف اُس کے ارکان دولت نے ضرور کی ہوگی۔ جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے کے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس چوبیس لاکھ چار ہزار دینار تھے دیدیئے یہ ایک جزئی مثال ہے۔ شعراء اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا مامون کا ایک معمولی کام تہا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدہ کے صلے میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دلا دئے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے۔ اور پچاس ہزار درہم اُسی وقت اُس کو دلا دیئے گئے۔

بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں تذر بھیجیں اور خط میں لکھا کہ اگرچہ "ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے۔ مگر میں نے یہ پسند نہ کیا۔ کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کہ میں اُس کو حضور کی نذر کے لئے انتخاب کروں"۔ مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اوس کو واپس دیجائیں۔

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔ اور ہم کو نئے تعلیم یافتہ نوجوان کی طرح جو ایشیائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہئے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم آج موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی ایشیائی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بنائیں۔

آج کل کے تعلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کو جو تاریخوں میں مذکور ہیں عموماً مبالغہ پر محمول کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کے لئے کافی ہو۔ لیکن یہی اُن کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشیائی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس وقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے۔ نہ اتنی کثیر تنخواہیں۔ اس لئے

سلہ آج کل کے حساب سے ایک کروڑ بیس ہزار روپے صرف ہونے سلہ اغانی ترجمہ محمد بن وہیب ۱۲

سلہ تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ ان فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا۔ جس کو آج ہم فضول اور لغو بتاتے ہیں۔ یہ باتیں ہمکو بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ ہم اُس عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو دوہی صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت میں ہوگیا۔ حضرت عمرؓ ایک بار ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "سنو اور مانو" یہ صدا ابھی پوری رفتار طے نہیں کر چکی تھی۔ کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور بلند لہجہ میں کہا "لا سمعا ولا طاعۃ" یعنی "نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے" حضرت عمرؓ نے فرمایا "آخر کیوں" اُس نے کہا "یہی چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئیں۔ اس میں تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا۔ مگر تمہارے بدن پر جو پیرہن ہے اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہوگا۔ تم کو اس ترجیح کا کیا حق تھا" حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب دیا۔ جنہوں نے کھڑے ہوکر یہ شہادت دی کہ "جس قدر کپڑا گھٹ گیا تھا وہ میں نے اپنے حصے کی چادر سے پورا کر دیا" وہ شخص یہ کہکر بیٹھ گیا کہ "ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے"[1]

اس کے ساتھ اب مامون کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اس کے غیر معتدل اسرافات پر کروروں مسلمان میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے اور وہ جس طرح چاہے اُس پر آزادانہ تصرف کرسکتا ہے۔ اس قسم کے بیقاعدہ مصارف سے ہم یہ بات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جس قدر تھے اُن کی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کے ساتھ اُس کی عالمانہ بحثیں سنی ہیں۔ نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہے۔ بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دور شراب چل رہا ہے ساز چھیڑا جا رہا ہے۔ گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے

[1] آثار الدول - امام رازی ١٢

ہیں[۱]۔ آغاز خلافت میں بیس مہینے تک مامون نغمہ و سرود سے بالکل محترز رہا۔ چند روزوں کے بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی کہ احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا۔ یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی۔ پھر تو ایسی چاٹ پڑ گئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کر سکتا تھا لیکن اگر انصاف سے دیکھئے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ آزادی۔ حوصلہ مندی۔ لطافت طبع۔ جوش شباب۔ ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی رہتے آئے ہیں۔ مامون کی تخصیص نہیں اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں کو اس عہد میں۔ امن۔ فراغ۔ اطمینان زر و مال۔ سب کچھ میسر تھا۔ پھر کیا چیز تھی جو ان کو زندگی کے پرخطر مقاصد سے روک سکتی۔ ایک مذہب البتہ در انداز ہو سکتا تھا۔ لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو بھی کھینچ تان کر اپنے مذہب کا بنا لیتی تھیں۔ شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔

موسیقی کی عام اشاعت

لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کر دیے تھے۔ نغمہ و سرود تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے۔

مامون کے دربار کے مغنی

بنو امیہ اور عباسیہ میں ایک بھی خلیفہ ایسا نہیں گذرا جو اس فن شریف میں مناسب دستگاہ نہ رکھتا ہو۔ بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے حضرت عمر بن عبد العزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں بہت سے سروں کے موجد ہیں[۲]۔ مامون کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہونچا دیا۔ اور جن میں سے مخارق۔ علویہ۔ عمرو بن بانتہ۔ عقید۔ یحییٰ مکی۔ سوسن۔ زلزل۔ زرزور۔ اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں۔ لیکن اسحٰق موصلی کی شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ

---

[۱] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ مامون وغیرہ کی بادہ نوشی سے انکار کیا ہے۔ لیکن تاریخی سند کوئی پیش نہ کر سکے۔ صرف حسن ظن پر تقریر کو طول دیا ہے۔ تاہم نبیذ کا پینا تسلیم کرتے ہیں۔ ابن خلدون کے تسلیم کر لینے کے بنا پر ہم نے ہماری کتاب میں مامون کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں بجائے شراب کے نبیذ پڑھیں۔

[۲] صاحب اغانی نے جہاں خلفا کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام بھی لیا ہے۔

نہ ہوسکا۔ اسحٰق کا باپ ابراہیم۔ موسیقی کا ایک مشہور اُستاد تھا۔ اور ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا۔ اسحٰق نے فن ادب انساب۔ روایات۔ فقہ۔ نحو۔ میں مجتہدانہ۔ کمال پیدا کیا تھا۔ یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کرکے اوس کو مغنی کا "حقیر لقب دلایا۔ جس کی شہرت کو وہ کسی طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس نسبت سے نہایت نفرت کرتا تھا مگر قبول عام پر کس کا زور ہے۔ ماموں کو بھی اس بات کا افسوس رہا کہ اسحٰق منصب قضا کے قابل تھا۔ لیکن قوالی کی بدنامی نے اس بلند درجہ پر پہونچنے نہ دیا۔ تاہم اُس کی عظمت کا اتنا پاس تھا کہ دربار میں اُس کو ندیموں کے زمرے میں جگہ ملتی تھی۔ اس سے زیادہ یہ امتیاز حاصل تھا کہ اُسکو دربار میں فقہا کا لباس پہنکر آنے کی اجازت تھی۔ اس پر بھی مانع نہ ہوا اور ماموں سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ[1] میں داخل ہوسکے۔ ماموں نے مسکرا کر کہا "اسحٰق" یہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں" یہ کہکر حکم دیا کہ لاکھ درہم اُس کے گھر پہونچا دیے جائیں۔

اسحٰق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ روزانہ معمول رہا کہ صبح تڑکے ہشیم کی خدمت میں پہونچکر حدیثیں سُنیں پہر کسائی۔ یا فرا کے پاس جاکر قرآن کا سبق پڑہا۔ اس سے فارغ ہوکر۔ زلزل سے عود بجانے کی مشق کی۔ پہر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر اصمعی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا کچھ اشعار سنائے۔ کچھ ادب کے مسائل تحقیق کئے۔ شام کو گھر واپس آیا۔ تو جو کچھ دن بہر سیکھا تھا۔ سب پدر بزرگوار کو سنا دیا۔ اسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کے نذر کئے۔ تب عود بجانا آیا۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہتا تھا کہ "اسحٰق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیا ملک اضافہ ہوگیا"۔

ابراہیم کی موسیقی

اسحٰق موصلی

[1] مسجد میں جہاں بادشاہ نماز ادا کرتا تھا۔ وہ ایک کٹگہرہ ہوتا تھا۔ اُس کو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں۔ ۱۲

اسحٰق نے موسیقی کے جو اصول و قواعد اپنی تصنیف میں لکھے ہیں وہ یونانی حکمار کی تحقیقات سے عموماً مطابق ہیں۔ حالانکہ یہ بات تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوگئی ہے کہ اس کو نہ یونانی زبان آتی تھی۔ نہ ان کتابوں کے ترجمے اُس کی نگاہ سے گذرے تھے۔ اس بات پر تمام اہل فن کو حیرت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں اُس نے فیثاغورث سے کچھ کم کام نہیں کیا۔

ان مغنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تھا۔ جس سے مامون کے جلسوں کی زیب و زینت تھی۔ روم۔ و ایشیائے کوچک کی گل اندام نازنیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی تھیں دلال اُن کو سستے داموں پر خرید لیتے تھے۔ اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب ادب۔ خوشنویسی۔ ظرافت۔ حاضر جوابی۔ کی تعلیم دلاتے تھے۔ ان فنون میں کامل ہوکر وہ نہایت گراں قیمتوں پر بازار میں بکتی تھیں۔ مامون کے شبستان عیش میں۔ ان خوروشوں کا ایک بڑا جمگھٹ رہتا تھا۔ جنکی خریداری۔ اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیربار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی جس کے فضل و کمال۔ فصاحت ادبیت۔ سخن سنجی۔ کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کی۔ مامون نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ فی البدیہ اُس کے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں۔ شعر یہ تھا۔

ماتقولین فیمن شفہ ادق		من جہد حبك حتى صار حیرانا

کنیز نے برجستہ پڑھا

اذا وجدنا محبا قد اضربہ		داء الصبابۃ اولسناہ احسانا

عَریب ایک کنیز جو ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھی۔ اور لاکھوں درہم اس کی خریداری میں صرف کئے گئے تھے۔ مامون کی محبوبہ خاص تھی۔ اس نے ہزار راگ ایجاد کئے تھے۔ جن میں سے بعض کا تتبع اسحٰق بھی بمشکل کرسکتا تھا۔ عَریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خلیفہ المعتز باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا

۵ اسحاق و ابراہیم کا نہایت مفصل تذکرہ آغانی میں ملے گا۔

موجد اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے۔ عریب کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے
ایک بار عُریب نے مامون سے رنجیدہ ہوکر ملنا چھوڑ دیا۔ تب فی احمد بن ابی داؤد
سے مامون نے التجا کی کہ آپ بیچ میں پڑکر صلح کرا دیجئے۔ عریب نے سنا تو پردہ سے
بول اٹھی کہ۔

یخلط الہجر بالوصال ولا	یدخل فی الصلح بیننا احد

یعنی وصال میں ہم ہجر کو ملا دیتے ہیں۔ لیکن صلح کرانے کے لئے ہمارے بیچ میں کوئی
غیر شخص نہیں پڑ سکتا۔" مامون کی ایک دوسری کنیز جس کا نام بذل تہا۔ فن موسیقی کے
مشہور استادوں میں تسلیم کی گئی ہے۔ علی بن ہشام نے اس کی ایک تصنیف کا جو سات ہزار
راگوں پر مشتمل ہے۔ دس ہزار درہم صلہ دیا تہا۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے عریب و بذل
کے دلاویز حالات کے لئے اپنی بے نظیر کتاب الاغانی کے بیسیوں صفحے نذر کئے ہیں۔ رنگین
طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اُس کے صفحے پیش نظر رکہیں۔ اس عہد میں تعلیم یافتہ
کنیزیں عموماً امرا و خوشحال لوگوں کی حرم میں داخل تہیں۔ اور چونکہ ان کے حقوق اور
معاشرت۔ عملی طور سے ہر خاندان میں اصلی ازواج کے برابر بلکہ بڑہکر تہے۔ اس لئے
عورتوں کی تعلیم اور آزادی کا مسئلہ بہت کچھ انکی بدولت حل ہوگیا تہا۔

مامون کے عیش و طرب کے جلسوں میں گو عیاشانہ رنگینی پائی جاتی ہے۔ مگر
انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے۔ علمی مذاق سے بالکل خالی بہی نہ تہے۔ اس قسم کے جلسے
جو شاعرانہ جذبات کو پورے جوش کے ساتھ ابہار دیتے ہیں۔ اگر متانت و تہذیب
کے ساتھ ہوں تو لٹریچر پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ مامون خود
سخن سنج۔ اور موسیقی کا بڑا ماہر تہا۔ یاران مجلس بہی عموماً نازک خیال اور نکتہ
شناس تہے۔ بات بات پر شاعرانہ لطیفے ایجاد ہوتے۔ کبہی موسیقی کی بحث
چہڑ جاتی۔ کسی وقت مامون کے فی البدیہہ مصرعوں۔ یا شعروں پر شعرا کی
طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک دن بزم عیش آراستہ تہی۔ بادہ و جام کا
دور تہا۔ بیس عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کے لباس پہنے۔ گردنوں میں سونے

کی صلیبیں۔ کمر میں زریں زنار۔ ہاتھوں میں گلدستے لئے ہوئے۔ بزم میں جلوہ آرا تھیں۔ یہ سماں ایسا نہ تھا۔ کہ مامون دل پر قابو رکھہ سکتا۔ بیساختہ چند اشعار زبان سے نکلے۔ اور احمد بن صدقہ ایک مغنی کو بلا کر اُن شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی نغمہ سرائی کے ساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہوگئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں۔ اور جام شراب مامون کے بدست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے۔ وہ بالکل سرشار ہوگیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کی جاویں۔ مامون کا چچا ابراہیم جس کے ادعائے خلافت کا حال پہلے حصہ میں گذر چکا ہے۔ اور جو موسیقی کا بڑا استاد اور اس فن میں اسحق موصلی کی ہمسری کا دعوے رکہتا تہا۔ ایک دن بزم عیش میں حاضر تہا۔ مامون کے داہنے بائیں بیس حوروش کنیزیں ایک سر میں عود چھیڑ رہی تہیں۔ اسحق بھی حاضر ہوا۔ اور آنے کے ساتھ ٹھٹک سا گیا (مامون) کیوں اسحق! کوئی بے اصول آواز کان میں آرہی ہے! (اسحق) حضور۔ ہاں (مامون) ابراہیم کی طرف مخاطب ہوکر) تم اس سوال کا جواب کیا دیتے ہو۔ (ابراہیم نہیں۔ مامون نے اسحق کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا "اب میں بہ تعین بتا دیتا ہوں کہ اس صف میں کسی تار پر غلط مضراب پڑ رہا ہے" ابراہیم نے اس طرف کان لگا کر سنا مگر پھر تمیز نہ ہوئی۔ اسحق نے ایک خاص کنیز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں۔ اب ابراہیم بھی سمجھہ گیا اور اپنی ناواقفیت پر نادم ہوا۔ مامون نے کہا "ابراہیم۔ اسی تاروں کی یکساں اور مشتبہ گونج میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اُس کو بہ تعین بتا دے تم اس ہمسری کا کیونکر دعوے کرسکتے ہو" شاید یہ پہلا دن تہا کہ ابراہیم نے صریح لفظوں میں اسحق کی فضیلت کو تسلیم کرلیا۔ ایک دن معتصم باللہ نے مامون کی دعوت کی۔ مکان جو دعوت کے لئے سجایا گیا تہا۔ اس کی چھت میں جابجا روشندانوں میں شیشے لگے تہے۔ مجلس میں احمد یزیدی اور سیا ترکی بھی موجود تہا جو معتصم کا پیارا غلام۔ اور حسن وجمال میں یگانۂ روزگار تہا۔ آفتاب کا عکس

شیشوں سے ہو کر سما کے چہرے پر پڑا تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ مامون بیساختہ پکار اُٹھا کہ "دیکھنا! آفتاب کا عکس سما کے چہرے پر پڑ کر کیا سماں دکھلا رہا ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا کہ اسی وقت موزوں ہوا تھا۔ پہلا مصرع یہ ہے قد طلعت شمس علی شمس" یعنی آفتاب پر آفتاب چمک رہا ہے" اگرچہ یہ ایک برجستہ لطیفہ تھا۔ تاہم معتصم کو رشک ہوا۔ مامون نے تسکین کردی کہ "رقابت مقصود نہیں۔ صرف یہ ایک فوری اثر کا اظہار تھا"

مامون کا مذہب

مامون مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے ؎

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلائے شوخ	تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھکو

سنی مورخ اس کے محاسن وفضائل کا علانیہ اعتراف کر کے بڑی حسرت سے لکھتے ہیں کہ "افسوس شیعی تھا" شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُس کا تشیع بالکل فریب تھا جس کے ذریعہ سے اس نے حضرت علی رضا علیہ السلام پر قابو حاصل کیا۔ اور پھر زہر دلوا دیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں۔ ورنہ یہ دیکھنا تھا کہ اس مقدس فرقہ نے اُس کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مامون کے زمانہ تک ان فرقوں میں وہ حد فاصل نہیں قائم ہوئی تھی۔ جو اب ہے۔ سنی۔ شیعہ۔ معتزلہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ سنیوں کے بڑے بڑے پیشوائے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں سیکڑوں ایسے گذرے ہیں کہ اگر ان کے مجموعہ عقائد کا شیرازہ کھولدیا جائے تو شیعہ۔ سنی۔ معتزلی۔ قدریہ۔ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا کچھ حصّہ آئے گا۔ عقائد کے لحاظ سے مامون معجون مرکب تھا۔ قرآن کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ عام منادی کرادی تھی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچھا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتا تھا۔ لیکن اور خلفاسے بھی بد اعتقاد نہ تھا اس نے ایک نظم میں حضرت عثمان و عائشہ کی نسبت بھی اپنا راسخ اعتقاد ظاہر

کیا ہے۔ اُس کے یہ خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے۔ مختلف زبانوں
کی تعلیم ومعاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان برامکہ کی صحبت نے جو اُس کی ابتدائی
تعلیم وتربیت کے رہنما تھے۔ اُس کو شیعہ پن کے خیالات سکھائے بڑا ہوا تو
بھی یہی صحبت رہی۔ فضل بن سہل۔ جو پایۂ تخت کے وزیر اور حکومت کے ارکان اعظم تھے
۔ مامون پر ایسے محیط تھے کہ وہ اُنہیں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اور اُنہیں کے
کانوں سے سُنتا تھا۔ یہ دونوں شیعے تھے اور اُن کے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جما
لیا تھا۔ آخر میں معتزلی اپنے فضل وکمال کی وجہ سے باریاب ہوئے۔ مامون کی قابل طبیعت
نے اُن کے عقائد کو بھی خیر مقدم کہا۔ اس دو طرفہ کشمکش میں سنیت کا جس قدر حصہ باقی رہ گیا
وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تھا۔ مامون کے دربار میں۔ ہندو۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی ہرایک
مذہب کے عالم اور فاضل تھے۔ وہ سب سے نہایت فیاضانہ مراعات رکھتا تھا۔ اور کسی کے
عقائد اور مذہبی خیالات سے اُس کو بحث نہ تھی۔ لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ خود اُسکے
ہم مذہبوں کو ہمیشہ اُس کے تعصبات سے گزند پہونچتا تھا۔ شیعہ پن کے جوش میں ایک بار

متعہ کی منادی

منادی کرادی کہ متعہ عموماً جائز سمجھا جاوے۔ اگر یہ حکم ذاتی رائے کی صورت میں ہوتا
تو شاید کسی کو خیال بھی نہ ہوتا۔ لیکن ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہمزبان تھی۔ اور
اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے مامون عاجزانہ آجاتا تو شاید سنیوں کی قسمت بدل
گئی ہوتی۔ مامون اس وقت دمشق میں تھا۔ دربار کے تمام علما بھی ساتھ تھے۔ اِس
وحشت انگیز منادی نے گو تمام شہر کو برہم کردیا لیکن حکومت کی آواز کو کون دبا
سکتا تھا۔ جو لوگ مامون کے مزاجداں تھے۔ سمجھ چکے تھے کہ اِس پُرخطر موقع پر اگر کوئی
شخص اپنی جرأت کا امتحان دے سکتا ہے تو وہ صرف قاضی یحییٰ ہیں درباریوں میں سے
دو شخص اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے سے طیار بیٹھے تھے۔ اِن لوگوں سے کہا کہ
دربار میں چلئے۔ میں بھی ذرا دیر میں آتا ہوں۔ یہ لوگ پہونچے۔ تو مامون حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کا یہ قول پڑھ رہا تھا "دو متعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کے عہد میں تھے میں اُن کو حرام کرتا ہوں" ہر لفظ پر اس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوتا جاتا تھا۔

جب ایک پُر غیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کرچکا تو نہایت طیش میں آکر کہا اسے جُعَل - جو چیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تھی - تو کون ہے کہ اس کو حرام کرے۔ مامون کو اس طرح برافروختہ دیکھ کر سب سہم گئے - استنے میں قاضی یحیےٰ پہونچے اور گو خود کچھ نہیں کہا - لیکن اُن کا مغموم چہرہ - اُن کے دلی خیالات کو صاف ادا کر رہا تھا - مامون نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا - کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے۔

(قاضی یحییٰ) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا -

(مامون) وہ کیا (قاضی یحییٰ) زنا حلال کردیا گیا۔

(مامون) یہ کیونکر (قاضی یحییٰ) متعہ زنا ہی تو ہے۔

(مامون) کس دلیل سے (قاضی یحییٰ) قرآن مجید کی اس آیت میں اِلَّا عَلیٰٓ اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ - صرف دو قسم کی عورتوں سے تمتع جائز کیا گیا ہے - جورو - لونڈی - کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے - (مامون) نہیں (قاضی یحیےٰ) پھر کیا زوجہ شرعی ہے؟ کیا اسکو میراث ملسکتی ہے؟ قاضی یحیےٰ نے ایک حدیث بھی متعہ کی حرمت میں پڑھی - مامون کو اپنی خودرائی پر نہایت افسوس ہوا اور اسی وقت حکم دیا کہ پہلا حکم منسوخ کردیا گیا[1] -

مامون اس بات میں بے شبہ نہایت تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ تعلیم و خیالات کے ساتھ مذہبی عقائد میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا - فرائض اور اعمال کا سخت پابند تھا - پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُس کو جو کچھ ارادت تھی عاشقانہ وارفتگی کی حد تک پہونچ گئی تھی - شام کے سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا - اور جوش محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی بار بار آنکھوں سے لگاتا تھا - اور روتا جاتا تھا - مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے اور

[1] دیکھو تاریخ ابن خلکان - حالات قاضی یحییٰ ابن اکثم - ۱۲

مسئلہ حدوث قرآن کے متعلق مامون کی سختی

ہمیشہ دنیا میں اُس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مامون نے اِس قوت سے کوئی عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جس چیز نے اُس کی تمام خوبیاں غارت کردیں۔ وہ یہی مذہبی جنوں تھا۔ فلسفہ کے اثر اُسکو چند عقائد میں معتزلی المذہب بنادیا تھا۔ جن میں سے قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اِس رسوخ کے ساتھ اُس کے دل میں بیٹھ گیا کہ اُسکے نزدیک اِس مسئلہ سے انکار کرنا۔ گویا اصل توحید سے انکار کرنا تھا۔ ۲۱۸ھ ہجری میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا۔ تو اسحٰق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا۔ جس کا مختصراً مضمون یہ تھا "امیرالمومنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اِس کے خلاف ثابت ہے۔ یہ لوگ بدترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کرکے یہ فرمان سنادیا جائے۔ اور جس کو انکار ہو۔ وہ ساقط العدالت۔ مشہور کردیا جائے" مامون کو اِس پر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا۔ اور رُو در رُو گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اِس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے۔ مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے۔ جو اُن کا دل نہیں کہتا تھا۔

جب یہ لوگ بھی مامون کے ہمزبان بن گئے تو اُس نے اسحٰق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علما اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے اِس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی اور سب کے اظہار اُن کے خاص الفاظ میں قلمبند ہوکر مامون کے پاس بھیجدیے گئے۔ اِس کے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا وہ اُس کے جنوں مذہبی کا۔ ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا جس پر رشوت۔ چوری۔ دروغ گوئی۔ بے علمی۔ حماقت شعاری کا۔ الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ "جو لوگ اِس عقیدے سے باز نہ آئیں پا بزنجیر روانہ کیے جائیں۔ تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کرکے اُن کی موت و حیات کا فیصلہ کردوں" اسحٰق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا۔ جس کی ہیبت

نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔ اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہکر مامون کے ہمزبان ہو گئے۔ علامۂ قواریری۔ و سجادہ۔ البتہ کسی قدر مستقل رہے۔ مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہو گیا۔ کہ اُن لوگوں کو اپنے عزم و استقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا۔ وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام حنبل و محمد بن نوح۔ اِس معرکہ میں ثابت قدم رہے۔ جس کے صلے میں پابزنجیر ہو کر طرطوس روانہ کئے گئے۔

مامون کو یہ معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں نے اِس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برافروختہ ہوا اور اُن لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانۂ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں۔ ابوحسان زیادی۔ نضر بن شمیل۔ قواریری۔ ابو نصر تمار۔ علی بن مقاتل۔ بشر بن الولید۔ وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہونچ چکے تھے۔ کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو۔ لیکن ان بیکسوں کے لئے تو یہ ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا۔[1]

آل علی سے محبت

تمام خلفائے بنی العباس کے برخلاف مامون آل علی سے نہایت محبت رکھتا تھا۔ باغ فدک سادات کو واپس دیدیا تھا۔ آل ہاشم کو عموماً بڑے بڑے ملکی عہدے دے۔ اِس عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ یحییٰ بن حسین نے (علویوں میں تھے) جب انتقال کیا۔ تو مامون کو اُن کے مرنے کا ایسا صدمہ ہوا۔ کہ شاید کبھی نہ ہوا تھا۔ خود اُن کے جنازہ پر حاضر ہوا۔ اور دیر تک رنج و غم کی وہ حالت اُس پر طاری رہی کہ لوگ دیکھکر تعجب کرتے تھے۔ اِس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد۔ زینب خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مر گیا۔ مامون نے بجائے اِسکے

[1] یہ تمام واقعات کامل ابن الاثیر اور تاریخ الخلفا میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ ۱۲

کہ جنازہ میں شریک ہوتا۔ یا خود تعزیت کو جاتا۔ صالح کو اپنی طرف سے بھیجا کہ غذخواہی کے ساتھ ماتم پرسی کرائے۔ اس بے پروائی سے زینب خاتون کو اس قدر رنج دیا کہ اُن کو عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا اور مامون کی طرف اشارہ کرکے یہ شعر پڑھا۔

سبکناہ ونحسبہ لجیناً	فابدی الکیر عن خبث الحدید

ترجمہ۔ ہم نے اسکو تایا تو چاندی خیال کیا تھا۔ لیکن بھٹی نے ظاہر کردیا کہ زنگ آلود لوہا ہے[1]" پھر صالح سے کہا کہ مامون سے جاکر کہنا۔

"اے[2] مراجل کے لونڈے۔ اگر آج یحیٰی بن الحسین ہوتا تو مُنہ پر دامن رکھکر جنازہ کے پیچھے دوڑتا جاتا[3]"

یہ عجیب بات ہے کہ مامون کی اس فیاضانہ مراعات کو ہمارے مورخین شیعہ پن کا اثر خیال کرتے ہیں۔ مامون کو بے شبہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پرجوش اور محبت آمیز عقیدت تھی۔ اس کا لازمی اثر تھا۔ کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا۔ جس کو خود مامون نے ایک موقع پر بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمان خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی۔ لیکن علی مرتضٰے خلیفہ ہوئے۔ تو عبداللہ بن عباس یمن کو۔ بصرہ۔ عبیداللہ کو یمن معبد کو مکہ۔ قثم کو بحرین کی حکومت دی۔ اور آل عباس میں کوئی باقی نہیں رہا۔ جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہوا۔ ہمارے خاندان پر یہ قرض باقی چلا آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے[3]"

معاصر سلطنتین

[1] یہ مامون کے کنیز زادہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲۔ [2] کامل ابن الاثیر ذکر سیرت مامون۔ ۱۲

[3] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ۱۲

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں۔ مامون۔ دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت و جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ اُس وقت اُس کی معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں۔

انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا۔ جن کے نام یہ ہیں[۱] کینٹ۔ سیسکس۔ وسیکس۔ نادمبرلینڈ۔ مرشیا۔ ایسٹ انگلیا۔ یہ سب بادشاہ جن کو رئیس کہنا چاہئے۔ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ اور جو شخص ان میں کسی قدر غلبہ حاصل کر لیتا تھا۔ اُس کو بادشاہ انگلش کا پرفخر لقب ملتا تھا۔ ۸۲۷ء میں اگبرٹ (Egbert) بادشاہ وسیکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہو گیا۔ اور قریباً تمام انگلینڈ میں اُسکی فتوحات پھیل گئیں۔ لیکن قبل اُسکے کہ وہ اپنے فتوحات کی بنیاد مستحکم کر سکے ڈینیس (Danes) کا حملہ شروع ہو گیا۔ اگبرٹ نے ۸۳۹ء میں انتقال کیا۔ جرمن۔ اٹلی۔ ہنگری۔ ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جن کے لئے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے موزوں تھا۔ نہ جمعیت و قوت کے اعتبار سے شارلمین شاہنشاہ فرانس نے ۸۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنے کے بعد اپنی حدود حکومت میں داخل کر لیا۔ اور ایک سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی۔ یورپ کے مورخوں نے اُس کی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس نے اپنے معاصر ہارون الرشید اعظم سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی۔ اور سفارت و ہدایا بھیجے۔ فرانس کے مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفارت کے جواب میں ہارون الرشید نے جو شاہانہ تحفے بھیجے اُس میں ایک گھڑی[۲] بھی تھی۔ جس کی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا۔ اور فرانس میں گھڑی کا

[۱] ان ناموں کا صحیح تلفظ انگریزی میں یہ ہے
(1) Kent (2) Sussex (3) Wessex (4) Essex (5) North-umberland. (6) Mercia (7) East Anglia

[۲] اس گھڑی کا حال کشف الظنون فی فنون الادبا میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ پہلی ایجاد آجکل کی نہایت اعلیٰ قسم کی صنعت کے برابر تھی۔ ۱۲

رواج اُسی زمانے سے شروع ہوا۔ عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے مسٹر پامر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اُس وقت نہایت عروج پر تھی۔ اس لئے اُس سے فخریہ رابطہ قائم کرنے کے لئے یورپ میں یہ قصے خود ایجاد ہوگئے[۱]۔ شارلیمین سنہ میں انتقال کرگیا۔ اُسی کے ساتھ عظمت سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

قسطنطنیہ میں میکل اول ومیکل دوم وتھیوفلس پسر میکل دوم۔ مامون کے معاصر تھے یہ خاندان۔ اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کیا کرتا تھا۔ بعض تخت نشینوں نے کبھی کبھی سرتابی کی۔ مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات سے اُن کو بتادیا۔ کہ اُن کے حق صلح بہرحال جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ ناظرین کو چاہئے کہ اس موقع پر مامون کی فتوحات پر ایک بار اور نظر ڈالیں۔

غرض دنیا میں اُس وقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں۔ سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن خاندان بنی اُمیّہ جو اسپین میں فرمانروا تھا۔ عباسیہ کا حریف مقابل تھا۔ حکم بن ہشام جو سنہ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ اور عبدالرحمن اوسط جو سنہ میں تخت حکومت پر بیٹھا یہ دونوں اموی خلیفہ مامون کے معاصر تھے اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے نہیں تو فتوحات یورپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر مامون کی ہمسری کا دعوے کرسکتے تھے۔ حکم نے فوج کو بہت ترقی دی۔ اور علم کی نہایت قدردانی کے ساتھ سرپرستی کی۔ عبدالرحمن اوسط نے یورپ پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اسپین میں بے شمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی اُمیّہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے۔ جس نے سلطنت کے اصول وقواعد منضبط کئے

اراکین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں۔ بعض اہل دربار۔ اور عہدہ داران ملک اپنے زور لیاقت اور حسن تدبیر

---

[۱] دیکھو تاریخ ہارون الرشید مصنفہ پامر صاحب مطبوعہ لندن صفحہ ۲۲۰۔

سے ایسا اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ اُن کے کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضروری حصہ بن جاتے ہیں۔ اور اس لئے اُن کے عام حالات زندگی پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا مورخ کا فرض ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑا سبب ہے۔ جس کی وجہ سے ہم درباریوں اور عہدہ داروں کا مختصر طور پر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہو گئی جس کی بنیاد امیر معاویہ نے ڈالی تھی۔ اُس وقت سے آج تک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ شخصی اختیارات کے اصول پر قائم ہوئی۔ جس کا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروائے وقت کسی عام ملکی قانون کا بند نہیں ہوتا تھا۔ شریعت کے مسلمہ اصول بھی ہمیشہ اُس کی ذاتی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالے جاتے تھے اسی طرح اُس کے نائبان سلطنت اور عمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک۔ گویا خود مختار فرماں روا ہوتے تھے۔ اس لئے ہم کو اگر کسی عہد کے امن و انصاف کی نسبت کوئی رائے قائم کرنی ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی لیاقت اور طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ مامون کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم عہدوں کے تعین اور اُن کے فرائض لکھتے ہیں۔

اُس وقت بڑے بڑے ملکی عہدے جن پر سلطنت کی بنیاد قائم تھی۔ یہ تھے

وزارت۔ کتابت۔ شرطۃ (پولیس)۔ قضاء۔ عدالت۔ ولایت

وزارت۔ یہ سب سے بڑا منصب تھا۔ اور حق یہ ہے کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات۔ بادشاہ کے اختیارات سے زیادہ وسیع اور با اثر ہوتے تھے

وزارت کے مختلف درجے تھے۔ اور ہر صیغہ کے وزیر الگ الگ مقرر تھے۔ مثلاً۔ وزیر القلم۔ وزیر الحرب۔ وزیر الخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تھا۔ جو ذوالریاستین یعنی وزیر الحرب والقلم کے معزز خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اسی رعایت سے اُس کا امتیازی پرچہ جس تیر سے پر آویزاں ہوتا تھا۔

اُس کے وہ پھل ہوتے تھے۔

کتابت۔ کاتب کا رتبہ عظمت اور رسوخ کے اعتبار سے قریباً وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تھا۔ وہ تمام فرامین۔ احکام۔ توقیعات۔ سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکھتا تھا۔ جن پر وہ اپنے دستخط ثبت کرتا تھا۔ اور دونوں کناروں پر سرخ روشنائی سے شاہی مُہر لگاتا تھا۔ اِس کے علاوہ اُن تمام عرضیوں پر جو ہر روز ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ مختلف مقاصد کے لئے بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بواسطے گذرانتے تھے۔ بادشاہ کی ہدایت سے نہایت مختصر اور بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ اِس میں اِس قدر کمال بہم پہنچایا گیا تھا۔ کہ جعفر برمکی کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھیں۔ اور فن انشا کے شائق۔ بڑے شوق سے مول لیتے تھے۔

قضا۔ قاضی۔ جس کو جج و جسٹس کہا جا سکتا ہے۔ اُس کو فصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام۔ مفلسوں کی خبرگیری۔ وصیتوں کی تعمیل بیوؤں کی تزویج۔ جب کوئی والی نہو۔ اِس قسم کے کام سپرد تھے۔

معدل دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اُس کے علاوہ عام حقوق۔ اور مشتبہ جائدادوں۔ و قرضوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُسی کے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا اور اس لئے نہایت مشہور راستباز اور ثقہ لوگ اِس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

محتسب کو ان باتوں کی خبرگیری رکھنی پڑتی تھی۔ بازاروں۔ یا مجامع عام میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جاوے۔ کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہونے پائیں۔ راستہ پر یا سڑک پر جو مکانات

گرنے کے قریب ہوں۔ اُن کو اُن کے مالکوں سے کہکر گروا دے جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں۔ اُن کو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ۔ وزن سے کم نہ رکھنے پاوے۔ محتسب کے ساتھ بہت سے سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔

ولایت۔ والی یا عامل۔ علی اختلاف مراتب۔ کلکٹر۔ کمشنر۔ لفٹنٹ گورنر اور بعض حالتوں میں گورنر کے برابر ہوتے تھے۔

مامون کے وزراء

مامون کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگرے وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز ہوئے اُن کے نام یہ ہیں۔ فضل بن سہل۔ حسن بن سہل۔ (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے)۔ احمد بن ابی خالد احول۔ ثابت بن یحییٰ۔ محمد بن یزداد۔ لیکن وزارت اعظم کا اصلی جاہ و جلال فضل بن سہل کے دم تک قائم رہا۔ اور شاید اُس کی برابر تنخواہ بھی یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار کسی اور کی نہیں مقرر ہوئی۔ اسی بنا پر بعض مورخوں نے خیال کیا ہے۔ کہ فضل کے بعد یہ عہدہ توڑ دیا گیا۔ اور حسن وغیرہ جو وزراء مشہور ہیں۔ دراصل کاتب کا منصب رکھتے تھے۔

فضل کی آزادی [illegible]

فضل۔ نسباً مذہباً مجوسی تھا۔ اور ۱۹۰ھ ہجری میں مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ جعفر برمکی نے ہرون الرشید کی خدمت میں اس تعریف سے اُسکو پیش کیا کہ شہزادہ مامون کی مصاحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہرون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا۔ اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کر سکا۔ ہرون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا۔ فضل نے بڑھکر عرض کی یا امیرالمومنین! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہوا۔ ہرون پھڑک اُٹھا۔ اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی۔ فضل شہزادگی کے زمانے میں مامون کا ندیم خاص رہا۔ اور چونکہ ابتدا میں اسی کے پُرزور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی بھنور سے بچالی تھی۔ مامون پر بہ نہایت محیط ہو گیا تھا۔ اور دربار میں کسی شخص کو اُس کی مخالفت

سلہ ان تمام عہدوں کی تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں موزخانہ طور سے لکھی ہے۔ ۱۲

کارانہ تھا۔ اِس خود پرستی کے سوا فضل میں اور تمام خوبیاں تھیں۔ نہایت فیاض۔ مدبر فرزانہ۔ علم دوست تھا۔

بڑے بڑے مشہور شعراء۔ مثلاً صریع الغوانی۔ ابراہیم صولی۔ ابو محمد۔ جو فن انشا کے بڑے ترقی دینے والے تھے۔ اُس کے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ چونکہ فیاضی کے ساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا۔ ہر روز حاجتمندوں کا ایک بازار لگا رہتا تھا۔ ایکبار اُس نے گھبرا کر ثمامہ بن اشرس سے کہا "میں اِن لوگوں سے نہایت تنگ آگیا ہوں" ثمامہ نے کہا "آپ جس پایہ پر ہیں۔ اُس سے اتر آئیں تو ایک شخص بھی آپ کو تکلیف دینے نہ آئیگا۔ اِس موثر فقرے نے اُس کی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کردیا۔

ایک شخص نے اُس کو ایک رقعہ لکھا۔ جس میں کسی کی چغلی کھائی تھی۔ فضل نے اُس کے حاشیہ پر لکھدیا کہ "میں غمازی کے قبول کرنیکو غمازی سے بدتر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ غماز صرف راستہ بتاتا ہے۔ اور قبول کرنے والا خود اُس پر چلتا ہے۔ فضل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم کا علم مصطلح معنوں میں صحیح ہو یا غلط۔ مگر فضل کی چند پیشین گوئیاں تاریخی شہادتوں سے ایسی صحیح ثابت ہوگئی ہیں۔ کہ حسن اتفاق کی اُس سے عجیب تر مثال نہیں مل سکتی۔ ۲۰۱ھ میں مامون کے اشارہ سے قتل کیا گیا۔ اُس کے اسباب میں ایک صندوق نکلا۔ جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر یہ عبارت اُسکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اڑتالیس برس زندہ رہے گا۔ پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جاوے گا" چونکہ وہ حمام میں مارا گیا تھا۔ اِس لئے اُس کی یہ پیشین گوئی پورے طور سے صحیح تسلیم کیگئی[1]۔

حسن بن سہل ۔ پہلے فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن۔ کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا۔ اُس کی قدر شناسی اور فیاضیوں کے فسانے۔ عموماً مشہور ہیں۔ بوران اپنی بیٹی کی

[1] فضل و حسن کے حالات تاریخ ابن خلکان میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہیں۔ ۱۲

شادی۔ جس شان و شوکت سے کی۔ اس کو مامون کے حالات میں دیکھنا چاہئے
نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ سنج تھا اس کے دلاویز فقرے اور پُر زور بلند
تحریریں ادب کی تصنیفات میں اکثر مثالاً پیش کی گئی ہیں۔
عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا۔ اور داد خواہوں
کے حال پر ازبس توجہ رکھتا تھا۔ لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف
کرانے میں اسکو ایک عجیب دلچسپی تھی۔ ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا۔ حسن نے
اسکی شفاعت کا رقعہ لکھدیا۔ وہ نہایت شکرگزار ہوا۔ اور احسانمندی کے
جوش میں دیر تک شکریے کے الفاظ ادا کئے۔ حسن نے کہا "شکرگذاری کی
کیا بات ہے۔ شفاعت کرنا ہم لوگ جاہ و عزت کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں" وہ اکثر کہا کرتا تھا
کہ قیامت میں جس طرح مال کی زکوٰۃ سے سوال ہوگا۔ قدر و منصب کی زکوٰۃ کی
بھی پرسش ہوگی"
افسوس ہے کہ حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اٹھایا فضل
کے قتل کا اس کو ایسا صدمہ پہونچا تھا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل
الحواس ہوگیا۔ اور آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ ۲۳۶ھ میں
بمقام سرخس وفات کی۔

احمد بن ابی خالد احول۔ حسن بن سہل کی درخواست پر اس کا قائم مقام مقرر
ہوا تھا۔ مامون نے جب اسکو مستقل کرنا چاہا تو اس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو خدمت
مجھ سے لیجائے میں حاضر ہوں۔ لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جاؤں
مامون نے چونکہ اس کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ یہ درخواست قبول نہ کی۔ اور
خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد نے نہایت لیاقت۔ اور عظمت و شان کے ساتھ وزارت
کی مامون بھی اس کی نہایت عزت کرتا تھا۔ ایک بار کسی نے عرضی دی۔ کہ وزیر اعظم احمد
کھانے کا بہت شائق ہے۔ اور جس کی دعوت کھالیتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف
اس کی طرفداری کرتا ہے" مامون نے اس شکایت پر اگر کچھ لحاظ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ

سے علاوہ ہزار درہم روزانہ احمد کے دسترخوان کے لئے مقرر کردئیے۔ احمد کی وزارت ختم ہونے کے ساتھ مامون کی خلافت کا زمانہ بھی قریباً ختم ہوتا ہے۔ باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر کہلائے۔ اُن کی چند روزہ اور گمنام وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکھتی۔ اور اس لئے اُن کے حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہوگا۔

کتاب۔ مامون کے دربار میں جو لوگ اس معزز منصب پر مقرر ہوئے اپنے فن میں بےمثل و یگانہ روزگار تھے۔ عمرو بن مسعدت۔ المتوفی ۲۱۵ھ ہجری بہت بڑا نامور فاضل تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا۔ کہ مضمون کا اصلی اثر۔ اور زور۔ پورا قائم رہتا تھا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے۔ کہ ایک بار میں مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک خط پڑھ رہا تھا۔ اور عجیب محویت کے عالم میں تھا۔ بار بار پڑھتا تھا۔ اور چومتا تھا۔ ہاتھ سے رکھ دیتا تھا۔ اور پھر اُٹھا لیتا تھا مجھ کو دیکھا تو کہا "امیر المومنین ہارون الرشید۔ فرمایا کرتے تھے بلاغت اس کا نام ہے۔ کہ نہایت مختصر لفظوں میں مطلب ادا ہو۔ اور مضمون کا اصلی زور اور اثر قائم رہے۔ امیر المومنین نے جو فرمایا تھا۔ اس خط نے آنکھوں سے دکھا دیا" یہ کہکر مامون نے خط کی عبارت پڑھ کر سنائی۔ جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک شکایت آمیز عرضی تھی۔ خط کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ "کتابی الی امیر المومنین ومن قبلی من الاجناد والقواد فی الطاعة والانقیاد علی احسن ما یکون علیہ طاعة جند تاخرت عطیاتہم واختلت احوالہم" یعنی میں "امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں اور فوج و افسران فوج اطاعت اور انقیاد کے اس عمدہ ترین درجہ پر ہیں۔ جہاں تک ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے۔ جس کی تنخواہیں نہ ملی ہوں۔ اور تباہ حال ہو رہی ہو"

مامون کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف۔ بھی بلاغت میں اس درجہ کا مسلم الثبوت اُستاد تھا۔ کہ اُس زمانہ میں فضل و کمال کی اس ترقی کے ساتھ بھی کوئی شخص اُسکی

۱؎ دیکھو تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲۔ ۲؎ زہر الآداب۔ مصنفہ علامہ ابو اسحق حصری ۱۲۔

ہمسری کا دعوے نہیں کرسکتا تھا۔ طاہر بن الحسین نے ماموں کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا۔ اور جو اختصار۔ وحسن ادا۔ وبلند خیالی کے لحاظ سے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی احمد بن یوسف کا نتیجۂ طبع تھا۔ وزیر اعظم۔ احمد اول اکثر ماموں کے سامنے اُس (احمد بن یوسف کاتب کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ماموں نے اُسکو دربار میں طلب کیا۔ احمد نے آداب وتسلیم کے بعد اِس فصاحت ولطف سے گفتگو کی کہ ماموں حیران رہ گیا۔ اور کہا۔" کمال تعجب ہے کہ احمد آجتک اپنے کو چھپا کیوں کرسکا" علامہ ابو اسحٰق حصری نے زہرالاداب میں بہت سے اُس کے لطیف اور فصیح وبلیغ خطوط واشعار نقل کئے ہیں۔ ہم اِس موقع پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں۔ شعر

اذا ما التقينا والعيون نواظر		فالسننا حرب وابصارنا سلم	

ترجمہ۔ جب ہم محبوب سے ملتے ہیں تو زبانیں لڑتی ہیں۔
(یعنی باہم شکایت کے دفتر کھولتے ہیں) اور نگاہیں صلح کرلیتی ہیں۔

قضاۃ ممالک محروسہ میں قضاۃ کا جو بہت بڑا محکمہ تہا۔ اُس کا صدر مقام دارالخلافہ بغداد تھا۔ اور افسر صدر۔ قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا۔ اِس بلند منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے۔ یحییٰ بن اکثم۔ و احمد بن ابی داؤد۔ یحییٰ بن اکثم۔ حکومت کی عظمت وجاہ کے ساتہہ پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں اُنکی جلالت وشان کے لئے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری وترمذی۔ فن حدیث میں اُن شاگرد تھے۔ قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پولیٹکل لیاقت نے اُن کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہونچادیا تھا۔ وفتر وزارت کے تمام کاغذات پہلے اِن کی نگاہ سے گذر لیتے تھے۔ تب سند قبول پاتے تھے۔ اُن کی تقرری کی ابتدا اِس طرح ہوئی کہ ماموں نے ایک خالی شدہ عہدۂ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ اُمیدواروں میں یہ بھی پیش کئے گئے۔ اور چونکہ کریہ منظر تھے۔ ماموں نے حقارت آمیز نگاہ سے اُن کی طرف دیکھا یہ سمجھ گئے۔ اور عرض کی کہ " اگر میری صورت سے غرض ہے تو خیر ورنہ اصلی

لیاقت کا حال امتحان سے معلوم ہو سکتا ہے"۔ مامون نے امتحاناً پوچھا کہ "ایک میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثاء باقی رہے ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا"۔ یحییٰ نے کہا۔ میت مرد ہے یا عورت"۔ مامون۔ اسی سوال ہی سے سمجھ گیا۔ کہ قاضی یحییٰ نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی مقرر ہو کر گئے۔ تو اُن کا سِن کل بیس برس کا تھا۔ لوگوں نے اُن کی کم سنی سے تعجب کیا۔ اور ایک شخص نے خود اُن سے پوچھا کہ "حضور کی عمر کس قدر ہے"۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "عتاب بن اسید کی عمر سے (جن کو رسول اللہ صلعم نے۔ مکہ معظمہ کا قاضی مقرر کیا تھا) زیادہ ہے"۔ متعہ کی نسبت اُنہوں نے مامون سے گفتگو کی تھی جس کو ہم۔ مامون کے حالات میں لکھ آئے۔ مامون کمال قدر دانی سے اُنکو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا۔ فقہ میں اُن کی تصنیفات نہایت اعلیٰ رتبہ کی ہیں۔ فقہائے عراق کے رد میں اُن کی ایک کتاب جسکا نام تنبیہ ہے۔ ایک مشہور کتاب ہے[1]

لطیفہ قاضی یحییٰ کسی قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے۔ ایک بار مامون نے امتحاناً چند خوبصورت اور پری پیکر غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اُٹھ جاؤں تو تم لوگ قاضی صاحب کو چھیڑو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے تو قاضی صاحب نے اُن کی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا "ظالمو! تم نہ ہوتے تو ہم لوگ سچے مسلمان ہوتے"۔ مامون پردے سے یہ گفتگو سن رہا تھا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

وکنا نرجی ان نری العدل ظاہرا — فاعقبنا بعد الرجاء قنوط

متی تصلح الدنیا و یصلح اہلہا — وقاضی قضاۃ المسلمین غلوط

لطیفہ۔ مامون کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے قاضی یحییٰ سے کہا۔ آؤ چپکے چل کر اُس کا حال دریافت کریں۔ دونوں معمولی لباس پہنکر اُس کے پاس گئے۔ اور پوچھا۔ آپ کا معجزہ کیا ہے۔ اُس نے کہا "مجھکو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے"۔ مامون نے کہا "اس وقت بھی کوئی وحی اتری ہے اُس

[1] قاضی یحییٰ کا مفصل تذکرہ تاریخ ابن خلکان میں ملیگا۔ ۱۲

نے کہا ہاں مجھے یہ الہام ہوا کہ دو شخص تم سے ملنے آتے ہیں۔ ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا شاہدباز" مامون بیساختہ ہنس پڑا۔ اور چلا اٹھا۔ وَاللہُ اَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللہ ان باتوں کو ان بزرگوں کی بے تکلفی۔ اور رنگین طبعی کا اقتضا سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ قاضی حکم کے زہد اور اتقا و ورع میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ اس بحث کے متعلق ابن خلدون نے جو لکھا ہے۔ نکتہ سنجی کی داد دی ہے۔ قاضی یحییٰ نے ۲۴۲ھ ہجری میں ۸۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

قاضی القضاۃ **احمد بن ابی داؤد**۔ نہایت بڑے فقیہ۔ اصولی۔ متکلم۔ شاعر تھے دعبل خزاعی نے جو مامون کے عہد کا مشہور شاعر ہے۔ کتاب الشعرا میں اُن کا ذکر کیا ہے ایک دن قاضی یحییٰ بن اکثم کے ہاں فقہا۔ علما کا مجمع تھا۔ یہ بھی اُس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوبدار آیا۔ اور کہا امیر المومنین مامون نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو دربار میں رسائی ہوئی۔ مامون نے ان سب سے علمی بحثیں کیں۔ قاضی احمد کی باری آئی تو اُن کی برجستہ گوئی اور طباعی سے متعجب ہوکر نام و نسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا۔ کہ جب تک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے کوئی شخص گفتگو کا مجاز نہیں تھا۔ قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اس جابرانہ قاعدے کو توڑا۔ اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ اپنے فرائض ادا کرتے تھے۔ شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ خلیفہ معتصم[۱] باللہ کی سطوت وقہر سے تمام دربار کانپتا تھا۔ مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے۔ اور معتصم کو سننا پڑتا تھا معتصم نے جب برکی کے قتل کا حکم دیا۔ تو دربار میں سناٹا ہوگیا۔ اور اُس کی غضبناک صورت دیکھکر سب کے حواس جاتے رہے۔ محمد برکی چہلے پر بٹھایا گیا۔ اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی۔ قاضی احمد نے بڑھ کر کہا

۱؎ مامون کا بھائی تھا۔ اور اُسکے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی خاندان عباسیہ کی قوت اور عظمت جسکے قصے مشہور ہیں اسی کے عہد تک قائم رہی۔ پھر خلافت برائے نام رہ گئی تھی۔

"آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اُس کے مرنے کے بعد اُس کا مال واسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں" معتصم نے نہایت طیش میں آکر کہا "ہیں" مجکو۔ اُس کے مال لینے سے کون روک سکتا ہے۔ قاضی احمدؔ نے "خدا اور اوس کا رسول" "کیونکہ شرعاً مال وارث کو ملسکتا ہے۔ اور جب تک آپ اُس کے قتل کو جائز نہ ثابت کریں۔ وارث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا" قاضی احمدؔ نے یہانتک مجبور کیا کہ معتصم آخر اس ارادے سے باز رہا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ معتصم قاضی احمدؔ کو آتے دیکھکر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بھر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کریں گے۔ میں ہرگز انکی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اپنے زور تقریر اور حسن ادا سے جو کچھ چاہتے تھے منظور کرا لیتے تھے مذہباً معتزلی تھے۔ ۲۳۷ھ میں خلیفہ متوکل باللہ نے ان کو عہدہ قضا سے معزول کیا اور انکی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں ۲۴۰ھ میں اون کا انتقال ہوا۔[۱]

گورنر و لفٹنٹ عاملوں کے طبقہ میں سے خاص خاص شہر کے عامل د والی جو کلکٹر کے مساوی الرتبہ کہے جا سکتے ہیں بیشمار تھے۔ اور گو ہم انکا مفصل رجسٹر نہیں مرتب کر سکتے۔ تاہم جہاں تک ہم معلوم کر سکے ہیں۔ اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بالکل نہیں تھے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تہی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے یا مسلمانوں کو خود انپر اعتماد نہیں ہوتا تہا۔ قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تہے وہ زیادہ تر دفتر خراج و خزانہ و سررشتہ و کتابت کے عہدے تہے۔

اس عہد تک مسلمانوں میں اس قدر آزادی کا اثر باقی تہا کہ صوبے یا ضلع کا والی جابرانہ حکومت کرنا چاہتا تہا تو عام رعایا علانیہ ناراضی کا اظہار کرتی تہی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تہا تو متفق ہو کر اوسکو نکال دیتی تہی۔ ۱۹۸ھ میں جب عبداللہ (ایک عباسی شہزادہ تہا) مصر کا گورنر مقرر ہو کر گیا۔ اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ اور نہایت ذلت کے ساتھ مصر سے اُس کو نکال دیا

[۱] عامہ و ختصر ابن خلدون و تاریخ ابن خلکان میں قاضی احمدؔ کا نہایت مفصل تذکرہ ہے۔

مامون کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

مامون کے عہد میں جو لوگ لفٹنٹ یا گورنر مقرر ہوئے۔ ان میں طاہر بن الحسین سری بن الحکم عبداللہ بن السری۔ عبداللہ بن طاہر۔ حسن بن سہل۔ نہایت نامور اور مدبر تھے۔ اور خصوصاً طاہر کا خاندان تو اقتدار کے اس درجے تک پہونچ گیا تھا۔ کہ مامون کے بعد خراسان میں مستقل حکومت کی بنیاد قائم کرلی۔ عبداللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ نہایت بڑا ادیب محدث۔ شاعر موسیقی داں تھا۔ اُسکی فیاضیوں کے سامنے مامون کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک دن کوٹھے پر چڑھا۔ دیکھا تو لوگ کھانا پکانے کے لئے آگ جلا رہے ہیں۔ حکم دیا کہ سب کے لئے کھانا کپڑا مقرر کردیا جائے یہ کل ہزار آدمی تھے اور جب تک عبداللہ زندہ رہا ان لوگوں کو اسکی سرکار سے وظیفہ ملتا رہا۔ مصر داخل ہونے سے پہلے راہ میں جس قدر اسنے خیرات کی اُسکا اندازہ ایک کرور درہم سے زیادہ کیا گیا ہے ابو تمام طائی جسکی کتاب الحماسہ آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اُسی کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان شاہی اسکی (عبداللہ بن طاہر کی) نہایت عزت کرتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں جب وہ اس سامان سے بغداد میں داخل ہوا۔ کہ شام موصل وغیرہ میں جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کئے تھے پابزنجیر اسکے جلو میں ساتھ تھے۔ تو تمام بغداد خاندان خلافت اور خود معتصم باللہ اُسکے استقبال کو نکلا۔
مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کرکے غلام آزاد کرادے۔ ان تمام مصارف پر جب مرا تو چار کرور درہم خاص اُسکے خزانے میں موجود تھے[1]۔

مامون کے عہد کے اہل کمال

مورخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال لکھے اُس زمانہ کے اہل فضل و کمال کا بھی

[1] نجوم ظاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرہ میں۔ عبداللہ بن طاہر کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے عبداللہ کی لیاقت علمی۔ نکتہ سنجی۔ موسیقی دانی کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں ان میں اس کے فضل و کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

تذکرہ کرے جس سے ملک کی تہذیب و ترقی - اور فرمانروائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہو سکے - لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں طیار کرنی پڑینگی - ماموں کا دربار - اکبری و شاہجہانی دربار نہیں ہے کہ وانش اندوزان دولت کیلئے آئین اکبری و شاہجہاں نامہ کے چند صفحے کافی ہوں -

ماموں کی حکومت بغداد سے لیکر شام - افریقہ ایشیائے کوچک - ترک تاتار - خراسان ایران - سندھ تک پھیلی ہوئی ہے - اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھلے ہوئے ہیں - جن کا صدر مقام اور اصلی مرکز دار الخلافت بغداد ہے -

اس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہوگا کہ جب علامہ نضر بن شمیل نے ماموں کی قدردانی کا شہرہ سنکر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو ان کی مشایعت کے لئے جو لوگ شہر سے نکلے انکی تعداد قریباً تین ہزار تھی - جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث - یا نحوی - یا لغوی - یا عروضی - یا اصول کے معزز لقب سے ممتاز نہو[۱] - امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے - انکی کتاب جامع صحیح خود اُن سے جن لوگوں نے پڑہی وہ تعداد میں نوّے ہزار سے کم نہ تھے -

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناز کر سکتا ہے تو ماموں کا عہد حکومت اس فخر میں سب سے بڑھ کر ثابت ہوگا - فقہا و محدثین میں سے یحیٰی ابن معین امام بخاری محمد بن سعد کاتب واقدی - ابن علیہ سفیان بن عُیینہ - عبد الرحمٰن بن مہدی یحیٰی القطان - یونس بن بکیر - ابو مطیع البلخی شاگرد امام ابوحنیفہ - اسحٰق بن الفرات قاضی مصر حسن بن زیاد اللولوی شاگرد امام ابوحنیفہ - حماد بن اسامہ - حافظ بن ہشام - روح بن عبادہ - ابو داؤد الطیالسی - غازی بن قیس شاگرد امام مالک امام واقدی - ابو حسان زیادی - محمد بن نوح العجلی - علی بن ابی مقاتل - یہ وہ لوگ ہیں کہ آج مذہبی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں اور خصوصاً امام شافعی و امام احمد حنبل کا تو وہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں انہیں کے

---

[۱] دیکھو تاریخ ابن خلکان - تذکرہ علامہ نضر بن شمیل - ۱۲

اجتہادی مسائل گیارہ سو برس سے آجتک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں۔ ان تمام فقہا و محدثین کی تصنیفات۔ مامون کے عہد خلافت کی وہ علمی یادگاریں ہیں جن کی نظیر کوئی دوسرا زمانہ بمشکل لاسکتا ہے۔

ابوہذیل و ثمامہ بن اشرس۔ جو مامون کے مقرب خاص اور ندیم تھے۔ فرقہ ہذلیہ اور ثمامیہ کے بانی ہیں۔ ابوہذیل نے مذہب اعتزال میں دس نئے اصول اضافہ کئے جنمیں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص غور کرنے کے بعد خدا کو نہ جان سکا۔ اگر خدا کا انکار کرے تو معذور ہے اور اُسپر عذاب نہ ہوگا۔ عیسائیوں میں فرقہ نسطوریہ کا جو بانی ہے وہ مامون ہی کے عہد خلافت کا ایک نامور حکیم تھا جس کا نام نسطور[۱] تھا۔

اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیان مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اُس آزادی کا اثر تھا۔ جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں عام لوگوں کو دے رکھی تھی۔ کیونکہ بجز ایک مسئلہ "خلق قرآن" کے اُس نے مذہبی آزادی کو کبھی روکنا نہ چاہا وہ خود معتزلی یا شیعی تھا۔ لیکن اُس کے دربار میں قدری جہمی اور تمام دوسرے مذہب والے بھی نہایت عزت و وقار کے ساتھ بار پاتے تھے۔ اُس کی شاہانہ فیاضیاں ہر فرقہ پر ایک نسبت کے ساتھ مبذول رہتی تھیں۔

مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا جو گروہ تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں۔ حنین بن اسحاق عیسائی۔ یسوع عیسائی۔ قسطا بن لوقا عیسائی یوحنا ماسویہ عیسائی۔ ابن البطریق عیسائی۔ یعقوب کندی عیسائی۔ ماشاء اللہ یہودی دوبان ہندو۔ جبریل کحال۔ حجاج بن یوسف کوفی۔ ابوحسان سلما مہتمم بیت الحکمۃ۔ ابوجعفر یحییٰ بن عدی۔ محمد بن موسے منجم۔ محمد بن موسی خوارزمی محمد بن موسے۔ حسن بن موسے احمد بن موسے علی بن العباس۔ احمد الجوہری۔ یحییٰ بن ابی المنصور۔ حجاج بن المطر۔ حبیش الحاسب۔ احمد بن کثیر۔ فرغانی مصنف مدخل الی علم ہیئۃ الافلاک۔ عبداللہ بن سہل بن نوبخت

[۱] میں نے یہ روایت عبدالکریم شہرستانی کی ملل و نحل سے نقل کی تھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ نسطور اسلام سے پہلے گذرا ہے۔ ابن الاثیر نے عبدالکریم پر تعجب کیا ہے کہ اُسنے ایسی بدیہی غلطی کی۔ ۱۲

سہل بن ہارون ۔ خالد بن عبد الملک المروزی ۔ سند بن علی عباس بن سعید الجوہری ۔ اکثر مترجموں کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈہائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں ۔

عبد اللہ بن سہل ۔ نجوم میں ۔ اور یحییٰ بن ابی المنصور ۔ علم رصد میں نام آور تھے ۔ موسیٰ بن شاکر ۔ اوائل میں رہزنی کیا کرتا تہا ۔ پہر توبہ کی اور دربار میں داخل ہوا اُس نے تین صغیر بیٹے چہوڑے ۔ ماموں نے اُن کی تربیت اور پرداخت ۔ اسحق بن ابراہیم مصعبی کے متعلق کی اور جب کسی قدر بڑے ہوئے تو حکم دیا کہ یحییٰ بن ابی المنصور کے ساتھ بیت الحکمت میں کام کیا کریں ۔ تہوڑے دن میں ان سب نے فلسفہ وہیئت میں بڑی ناموری حاصل کی اور علوم فنون کے سرپرست بن گئے ۔ ان میں سے محمد نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا اور سپہ سالار فوج مقرر ہوا ۔ احمد نے زیادہ تر علم الحیل کی طرف توجہ کی ۔ اُس کی کتاب الحیل کی نسبت علامہ ابن خلکان نے نہایت تعجب ظاہر کیا ہے ۔ اور لکھا ہے کہ عجیب و غریب صنائع حکمت پر مشتمل ہے ۔ حسن کو علم ہندسہ میں نہایت کمال تہا ۔ حالانکہ تحصیل کے طور پر اُسنے صرف چند ہی مقالے پڑہے تہے ۔

ایک دن مروزی نے ماموں کے سامنے اعتراض کے طور پر کہا کہ حسن نے اقلیدس کے صرف چھ مقالے پڑہے ہیں ۔ حسن نے کہا " میں ہر شکل کو خاص اپنے طریق استدلال سے ثابت کرسکتا ہوں ۔ اس حالت میں مجکو پڑہنے کی کیا ضرورت ہے " ماموں نے یہ فخریہ جواب تسلیم کیا ۔ مگر یہ کہا کہ " ناتمام چہوڑ دینے سے تمہاری طبیعت کی کاہلی ظاہر ہوتی ہے ۔ علم ہندسہ فلسفہ کے لئے اُسی قدر ضروری ہے جسقدر کہ الف ب ت ت گفتگو کے لئے "[ل]

علمائے ادب

ادب و عربیت کے ماہرین میں قرار نحوی ۔ اصمعی ۔ ابو عبیدہ نحوی نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۳ھ یزیدی لغوی ۔ کلثوم عتابی ۔ ابن الاعرابی ۔ ثعلب نحوی ۔ ابو عمر والشیبانی اخفش نحوی ۔ قطرب نحوی المتوفی سنہ ۲۰۶ھ جو ماموں کے ہمعصر اور اکثر اُس کے خوان کرم سے فیضیاب تہے ۔ ان لوگوں نے فن ادب و عربیت کو معراج کمال تک پہونچا دیا ۔ آج جسقدر دنیا میں عربی ادب کی تصنیفات موجود ہیں انہیں کی تحقیقات اور روایتوں

ل رسالہ مختصر الدول ذکر حکمائے عہد ماموں الرشید ۔

سے مالامال ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر ان کا واسطہ بیچ سے اٹھا دیا جائے تو خود ان فنوں کی بنیاد قائم نہ رہے گی۔

فرا صرف علم نحو۔ بلکہ لغت۔ فقہ۔ نجوم۔ طب۔ ایام العرب میں بھی کمال درجہ رکھتا تھا ثعلب کا قول ہے کہ اگر فرا نہوتا تو آج علم عربیت نہوتا۔ فرا کی بہت سی تصنیفات ہیں جنکے صفحوں کی مجموعی تعداد قریباً چھ ہزار ہے ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

اصمعی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ عربی علم لغت قریباً ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ اور قسم کے اشعار ایک طرف بارہ ہزار صرف رجز کے شعر یاد تھے۔ ابو عبیدہ و اصمعی ہمزبان اور علوم عربیہ میں حریف مقابل سمجھے جاتے تھے ایک بار دونوں فضل بن الربیع (وزیر امین الرشید) کے پاس حاضر تھے۔ فضل نے اصمعی سے پوچھا کہ "تم نے گھوڑے کے اوصاف میں جو کتاب لکھی ہے کتنی جلدوں میں ہے" اصمعی نے کہا "صرف ایک جلد" ابو عبیدہ سے پوچھا تو اس نے بڑے فخر سے کہا "میری کتاب پچاس جلدوں میں ہے" اصمعی نے فضل سے کہکر ایک گھوڑا منگوایا۔ اور اس کے ایک ایک عضو پر ہاتھ رکھکر اُسکے متعلق عرب کے اشعار پڑھتا گیا۔ ابو عبیدہ سے جب فرمائش کی گئی کہ اس طرح وہ بھی ہر عضو کے متعلق اشعار سنائے تو اُسنے انکار کیا۔ فضل نے وہی گھوڑا اصمعی کو انعام میں دیا۔ اصمعی کا بیان ہے کہ جب میں ابو عبیدہ کو چھیڑنا چاہتا تھا تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس سے ملنے جاتا تھا۔

مامون کے وزیر حسن بن سہل نے بھی اپنے دربار میں ابو عبیدہ و اصمعی کو طلب کیا تھا اور اصمعی کی قوت حافظہ پر جس کا اسوقت ایک عجیب طریقے سے امتحان لیا گیا تمام دربار محو حیرت ہوگیا۔ اصمعی کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے ۴۵ کتابوں کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

یزیدی۔ مامون کا اُستاد تھا۔ ابن ابی الثقابیہ نے ادب کے متعلق اُسکے لکچر جمع کئے جو تخمیناً دس ہزار ورق ہیں یزیدی کے پانچ بیٹے تھے۔ اور ہر ایک ادب شعر ایام العرب میں اُستاد کامل تھا۔ ۲۰۲ھ میں انتقال کیا۔

اصمعی

یزیدی

ابوعمرو ابوعمرو الشیبانی لغت و شعر کا امام تھا۔ امام حنبل اُس کے شاگرد تھے۔ ابوعمرو نے قبائل عرب میں سے اسی قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں۔ کتاب الجیل۔ کتاب اللغات کتاب النوادر الکبیر وغیرہ اُسکی تصنیفات سے ہیں۔

اخفش نحوی اخفش نحو کا مشہور امام ہے۔ عروض میں بحر محبث اسی کی ایجاد ہے۔ معانی القرآن کتاب الاشتقاق۔ کتاب العروض۔ کتاب الاصوات۔ کتاب المعانی الشعراء اور اُسکے سوا بہت سی تصنیفیں کیں۔ سنہ ۲۱۶ھ میں انتقال کیا۔

ابوعبیدہ ابوعبیدہ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اُسکو بصرہ سے طلب کیا تھا جب دربار میں حاضر ہوا۔ تو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور شخص کاتبوں کا لباس پہنے حاضر ہوا۔ فضل نے اُسکو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو ابوعبیدہ انہیں کا نام ہے۔ وہ شخص مدتوں سے ابوعبیدہ کے ملنے کا مشتاق تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کی بڑی شکر گزاری کی۔ ابوعبیدہ سے کہا اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے۔ عرض کروں۔ ابوعبیدہ نے منظور کیا۔ اُس نے کہا کہ قرآن کی اس آیت میں "طلعها كأنه رؤس الشياطين" خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہئے جسکو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابوعبیدہ نے کہا "خدا عرب کے مذاق کے موافق کلام کرتا ہے امراء القیس کہتا ہے "ومسنونة زرق كانياب اغوال" حالانکہ بھوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پر خوف تسلیم کی گئی ہے۔ اس لئے خدا نے خوف کے موقع پر اُس سے تشبیہ دی ہے" ابوعبیدہ نے اس واقعہ کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیح کی۔ ابوعبیدہ کی تصنیفیں قریباً دوسو ہیں جن میں سے پچاس کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے[1] سنہ ۲۱۰ھ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی۔ امام العربیۃ کے لقب سے مشہور ہے۔ کسائی کا شاگرد تھا۔ علم لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں قریباً سو آدمی اُسکے حلقۂ درس

[1] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ ابوعبیدہ واصمعی۔ ۱۰

میں بیٹھے تھے اور بغیر کسی کتاب یا یادداشت کے درس دیتا تھا۔

حلقہ درس میں دور و دراز ملکوں کے طلبا حاضر رہتے تھے ایک دن اُسنے دو طالب علموں سے انکا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک اسبیجاب اور دوسرا اندلس کا رہنے والا ہے۔ اس بعد المشرقین کے اجتماع پر خود ابن الاعرابی کو بھی تعجب ہوا سنہ ۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جس قدر لکھنا چاہئے تھا اس کا دسواں بھی ہمنے نہیں لکھا۔ ماموں کے درباریوں کے ساتھ اب ہم ماموں سے بھی رخصت ہوتے ہیں۔

محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ

تمت بالخیر

۴۷۶۷